سلسلۂ مطبوعات اشاعت گھر شمارہ (۲)

یہ کس کا خون ہے؟

ڈرامہ

علی سردار جعفری

اشاعت گھر

عابد روڈ حیدرآباد (دکن)

قیمت ۔ ۸ر

یہ ڈرامہ

ہندوستانی عوامی تھیٹر ایسوسی ایشن (بمبئی) نے
جنوری اور فروری ۴۴ء میں سات بار اسٹیج کیا۔

پہلا ایڈیشن ایک ہزار

۴۴ء

اشاعت گھر

مالکان

غوث محی الدین (عثمانیہ)

چندر سین جائسوال

عرض حال

بیسویں صدی میں حالات نے جو نت نئی کروٹیں بدلی ہیں ان سے حیات انسانی کا کوئی شعبہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ہندوستانی سیاست ہندوستانی معاشرت اور ہندوستانی ذہنیت میں انقلاب عظیم پیدا ہو گیا اور چونکہ ادب اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ملکی ماحول اور عادات و خصائل کے ساتھ ساتھ ادبی رجحانات بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ پس قدرتی طور پر ہندوستانی شاعری اور نثر نگاری بھی اس ذہنی انقلاب سے متاثر ہوئی۔ جو فن کار تخیلی اور رنگین بیانی اور

رومانی داستانوں سراپائی کی حسین دنیا میں الجھے ہوئے تھے۔ ادیبوں کے خیال میں غیب سے مضامین آکر صریر خامہ کو نوائے سروش بنادیا کرتے تھے۔ ان کے دل و دماغ شعلہ زار حیات سے بھڑک اٹھے۔ زبان قلم سے چنگاریاں جھڑنے لگیں۔ اور صریر خامہ نوائے آتشیں بن گئی۔ پس ادب کے یہ نئے زاویے جنہیں ترقی پسندانہ رجحانات سمجھئے یا عصر حاضر کے حقیقی محسوسات اور زندگی کی منہ بولتی تصاویر — آج اکثر فن کاروں کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے لفظ ترقی پسند نے بہت ہی حسین غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں اور بعض آزاد خیال فن کاروں کا بیباک قلم ترقی پسندی کی رو میں بہتا ہوا عریاں نگاری کی منجدھار میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ ساحل مراد کا کوسوں ٹھکانہ ہی نظر نہیں آتا۔ اس قسم کا لٹریچر بہت ممکن ہے فرصت کے لمحات اور تنہائی کی ساعتوں میں ذہنی ہیجان انگیزی کا سامان فراہم کرے۔ لیکن وہ نہ ہماری روح حیات کو تسکین پہنچا سکتا ہے اور نہ ایسے سرمایہ ادب سے زبان اردو کوئی فخر انگیز تمکنت محسوس کر سکتی ہے۔

ان حالات میں "اشاعت گھر" کے قیام کا مقصد ہی یہ ہے کہ تجارتی مفاد سے قطع نظر کر کے ایسا ٹھوس اور صالح ادب پیش کیا جائے جو ملکی افکار و ماحول کا صحیح ترجمان ہو اور جسے حقیقی معنوں میں ترقی پسند ادب کہا جا سکے۔ چنانچہ زیر نظر کتاب ہمارے سلسلۂ مطبوعات کی دوسری کڑی ہے۔ اور اس کے لکھنے والے

ہندوستان کے مشہور ترقی پسند ادیب اور آزاد خیال صحافی جناب علی سردار صاحب جعفری ہیں۔ جو اپنے انقلابی خیالات اور ترقی پسندانہ رجحانات کے باعث علمی و ادبی حلقوں میں کافی ہر دلعزیزی حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کا طرز بیان نہایت صاف، سادہ، سلیس اور دلکش ہوتا ہے اور سلجھی ہوئی عبارت کے میٹھے میٹھے فقروں کے ذریعہ زہر جیسی کڑوی گولیاں پڑھنے والوں کے حلق میں اتار دیتے ہیں جنکی انقلاب آفریں ہمیت دل و دماغ تک پہنچ جاتی ہے۔ قلب میں جھرجھری پیدا ہوتی ہے اور دماغ میں ہیجان تخیل ——— زیر نظر ڈرامہ بھی ان ہی خصوصیات کا حامل ہے۔ یہ کوئی تخیلی قصہ نہیں، رومانی داستان نہیں اور نہ شاعرانہ دماغ کی بلند پروازی نے آسمان سے تارے توڑے ہیں بلکہ چند حقیقتیں ہیں، عریاں چند حادثات ہیں، نمایاں چند واقعات ہیں اجاگر اور چند آرزوئیں ہیں، بیتاب چند خواہشیں ہیں پہلو بدلتی ہوئی۔ کچھ کانٹے ہیں جو دل میں چبھن پیدا کر رہے ہیں۔ اور کچھ چٹکیاں ہیں جو کلیجہ مسوس رہی ہیں۔ اور انہیں سب کو ڈرامائی ترتیب دیدی گئی ہے۔

اس ڈرامہ کو انڈین پیپلس تھیٹر نے چند مہینوں کے دوران میں سات مرتبہ اسٹیج پر پیش کیا اور ہر مرتبہ اس ڈرامہ نے بمبئی کے عوام پر اپنا کامیاب اثر ڈالا۔

اردو کی ڈرامہ نگاری کی حالت بہت ہی ابتر ہے۔ افسوس ہے کہ انشاپردازانہ نازک خیالیوں اور رومانی افسانہ نگاریوں کے مشاغل جمیل نے

فن کاروں کو اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ اس صنف ادب کی جانب بھی کوئی خاص توجہ منعطف کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ زبان اردو کا دامن ڈراموں سے بڑی حد تک خالی ہے۔ لیکن یہ امر یقیناً باعث مسرت ہے کہ ترقی پسندی کے رجحانات نے بھی اس لاوارث صنف ادب کی بھی انگلی پکڑی ہے۔ اور اب اس کی دیکھ بھال بھی کی جانے لگی ہے۔ "یہ کس کا خون ہے" فنی اعتبار سے بہت بلند ڈرامہ ہے جسے دور حاضر کی مشکلات اور حوصلہ شکن و نا سازگار نا مساعدت احوال کے باوجود ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ توقع ہے کہ یہ اسی دلچسپی سے مطالعہ کیا جائے گا جس کا وہ حقیقی معنوں میں مستحق ہے۔ کتابت اور طباعت کے بارے میں ہم کچھ عرض کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ اس خون آشام اور آتش افروز زمانہ میں جو کچھ بھی ہو جائے اسے غنیمت ہی سمجھنا چاہیئے۔ بہرحال ہم نے جہاں تک امکان تھا کتاب کو دیدہ زیب اور دلفریب بنانے کی بھی کوشش کی ہے۔ پھر بھی اگر کچھ خامیاں اور کمزوریاں رہ گئی ہوں تو انہیں موجودہ مشکلات کا اندازہ کر کے نظر انداز فرمایا جائے۔ فقط

خادم ادب

غوث محی الدین

انتساب

انیل کے نام . . . .

علی سردار جعفری

پیش لفظ

"۹ر مئی ۱۹۴۳ء کو جاپانیوں نے چٹ گاؤں پر بم برسائے اور ہمارے وطن کی پاک زمین پر خون بہایا جاپانی درندگی کا پہلا شکار، پہلا بہادر محب وطن جس نے اپنے خون سے ہندستان کی سوکھی زمین کو سینچا، ایک کمیونسٹ تھا اس کا نام غلام شریف تھا وہ ایک بہادر سپاہی تھا اس نے چٹ گاؤں کے ڈاک ورکرز (گودی پر کام کرنے والے مزدور) کی تنظیم کی تھی۔ وہ اس وقت بھی اپنے رفیقوں کے ساتھ تھا جب جاپانی بمبار چٹ گاؤں کو اپنا نشانہ بنا رہے تھے جہاں اس کے رفیقوں نے جان دی وہیں وہ بھی اپنے وطن پر قربان ہو گیا۔ دشمن کے مقابلہ کا جو عہد ہم نے کیا ہے اب اس پر ہمارے عزیز ساتھی غلام شریف کے گرم اور سرخ خون کی مہر لگ چکی ہے اس کی موت کا بدلہ لیا جائے گا ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم فاشسٹوں کو مار بھگائیں گے"

قومی جنگ بمبئی

کمیونسٹ پارٹی کا ہفتہ وار اخبار ۲۶ جولائی ۱۹۴۳ء

"آسام اور بنگال کی سرحد پر رنگپور کا ضلع ہے۔ یہاں کے کسان آجکل لمبی لمبی کمانیں بنانے میں مشغول ہیں اور ان سے تیر چلانے کی مشق کرتے ہیں۔ ان کے تیر سیدھے نشانے پر جا کر بیٹھتے ہیں۔ کمان کی ہر ٹنکار کے ساتھ وہ نعرہ لگاتے ہیں: "ایک تیر ایک جاپانی" کہا جاتا ہے کہ بعض جگہوں پہ کسانوں نے اپنے بزرگوں کی تلواریں زمین سے کھود کھود کر نکال لی ہیں اور ان پہ بھی دھار لگا رہے ہیں۔ رنگپور کے کسان بھاگ جانے پہ تیار نہیں ہیں۔ اگر ان کے پاس تیر کمان نہیں تو وہ تلوار اور تیر چلانے کی مشق کرتے ہیں۔ جہاں تیر اور تلوار بھی ممکن نہیں وہاں بانس کاٹ کاٹ کر لاٹھیاں بنائی جا رہی ہیں اور سارے کسان ایک زبان ہو کر کہہ رہے ہیں — 'ہم تیار ہیں' —"

قومی جنگ بمبئی

۲۶ جولائی سنہ ۱۹۴۲ء

"شہر (چٹاگانگ) میں افواہ تھی کہ اراکان کی پہاڑی پر رہنے والا جنگلی قبیلہ جسے "موگ" کہتے ہیں۔ شہر پہ حملہ کرنے والا ہے۔ اس افواہ کو سنتے ہی سرحدی گاؤں سے چار ہزار کسان جو بھالوں، برچھوں، چھروں اور گنڈاسوں سے مسلح تھے۔ شہر میں حفاظت کیلئے آ گئے۔ عورتیں گھروں میں بند ہونے کے بجائے گلیوں اور سڑکوں پہ نکل آئیں...... چار ہزار مسلح کسانوں نے

زمینداروں کے بنگلے کے نیچے کھڑے ہو کر نعرہ لگایا "ہمیں بندوق دو۔ بندوق کی ضرورت ہے"........ زمینداروں نے اپنی بندوقیں نکال کر کسانوں کے حوالے کر دیں۔ کیونکہ وہ اپنی جان جاپانیوں سے بچانا چاہتے تھے۔ گھنٹے بھر میں ان زمینداروں نے اپنی ہستی کی اس تاریخی حقیقت کو، جو زندگی بھر ان کی سمجھ میں نہ آئی تھی، پہچان لیا کہ ان کسانوں کے سامنے وہ کس قدر بے دست و پا ہیں۔ خود انکی اپنی طاقت کیا ہے۔ کیا اس وقت اپنی جان بچانے کی فکر کرنے کے سوا وہ اپنے باقی لگان، زمین اور نذرانے کے بارے میں کچھ سوچ سکتے تھے؟ ـــ اس وقت جب کہ آسمان پر جاپانی بمبار طیارے اڑ رہے تھے اور زمین پر کسانوں کے بھالے اور برچھے چمک رہے تھے"

قومی جنگ بمبئی

۲۶ر جولائی سنہ ۱۹۴۲ء

یہ خبریں سال بھر کی پرانی ہو گئی ہیں۔ اب تک چٹ گاؤں پر کئی اور جاپانی حملے ہو چکے ہیں۔ لیکن چٹ گاؤں ایک ناقابل شکست چٹان کی طرح ابھی تک کھڑا ہوا ہے۔

میں نے ان واقعات کی بنیاد پر اپنے ڈرامہ میں ہندوستانی بہادری اور شجاعت کے اس جذبے کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں بھیم اور ارجن اکبر اور ٹیپو

جھانسی کی رانی اور بھگت سنگھ کی روح ہے۔ بہادری اور شجاعت کی یہ روایات ہمیشہ زندہ رہیں گی اور ہندوستان ہمیشہ ان سے تقویت حاصل کرتا رہے گا۔

مجھے پورا یقین ہے کہ میرا ملک اپنے ورثے کی حفاظت کرے گا۔ اور غلامی کی زنجیریں لسے اپنی مدافعت کرنے سے نہیں روک سکیں گی!

یہ صحیح ہے کہ آج ہمارے چاروں طرف مایوسی کا اندھیرا ہے اور سیاسی جمود نے قوم کو یخ بستہ کر دیا ہے۔ لیکن اس اندھیرے میں چٹ گاؤں، رنگ پور، ملابار اور آندھرا جیسی جگہوں سے امید کی نئی کرنیں پھوٹ رہی ہیں جن کی حرارت سے جمود کی برفانی چٹانیں پگھلی جا رہی ہیں۔ سارے ملک میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ رہی ہے۔

برطانوی نوکر شاہی کی سختی جتنی بڑھتی ہے، جاپانی حملہ کا خطرہ جتنا قریب آتا ہے اتنا ہی ہندوستانی عوام کا جوش مدافعت اور ذوق آزادی بھی بڑھتا جاتا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کی رہبری میں ایک نئی عوامی تحریک سیلاب کی طرح پھیل رہی ہے۔

اس نئے جوش و خروش کو دیکھ کر مجھے یقین ہوتا ہے کہ اگر کانگریسی لیڈر قید خانے سے باہر نہیں ہیں تو کل باہر آ جائیں گے۔ اگر آج کانگریس اور لیگ میں مفاہمت نہیں ہوتی ہے تو کل ہو جائے گی۔ اگر آج ہمارا ملک آزاد نہیں

ہے تو اس فاشست دشمن جنگ میں کامیاب طریقے سے شامل ہو کر آزاد ہو جائے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت ہماری مدافعت اور آزادی کی جنگ کو نہیں روک سکتی۔

اس احساس نے میرے قلم میں ایک نئی طاقت آ گئی ہے اور میں اپنے اس ڈرامے کو اپنی ادبی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز سمجھتا ہوں فقط

سردار جعفری

مرکزی دفتر ہندستانی کمیونسٹ پارٹی

بمبئی

ستمبر ۱۹۴۳ء

یہ کس کا خون ہے؟

مقام .... چٹاگاؤں

وقت ...... دو دن

زمانہ ...... ۸،۹ مئی سنہ ۱۹۴۳ء

افراد

علی حسین	زمیندار
بیگم	علی حسین کی بیوی
سکینہ	علی حسین کی بیٹی
امجد	علی حسین کا بیٹا
اقبال	سکینہ کا انجینیر کالج کا ایک طالب علم
امیو کمار گھوش	ایک پرانا دہشت پسند جواب جاپانی ایجنٹ ہے
سنتوش	امیو کا ساتھی
	علی حسین کا نوکر

ایک دیہاتی بڑھیا
ایک دس گیارہ برس کا لڑکا
ایک پولیس انسپکٹر
دو پولیس کے سپاہی
دو کسان کارکن
دو کمیونسٹ

پہلا سین

زمیندار علی حسین کے گھر کا ایک کمرہ۔ دیواروں پر بڑی بڑی پرانی تصویریں جن سے بد ذوقی کا اظہار ہو رہا ہے۔ دروازوں پر موٹے موٹے پردے صوفے اور میزیں۔ کھڑکی جو پر آمدے کی طرف کھلتی ہے اس کے پردے سرکے ہوئے ہیں۔ کھڑکی کے بائیں طرف دیوار سے لگا ہوا ایک پیانو رکھا ہے۔ کھڑکی کے داہنی طرف ذرا ہٹ کر ایک آتشدان ہے اس کے پاس ہی ایک ریڈیو سٹ رکھا ہے ایک کونے میں ٹیلیفون ہے۔ سارے ساز و سامان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کاروباری دنیا کے ایک جدید درمیانی طبقے کے آدمی کا گھر ہے۔ اور کسی کو نہیں معلوم ہے کہ یہ زمیندار علی حسین کا گھر ہے کہیں سامنتی عہد کی جھلک نہیں دکھائی دیتی۔ کسانوں سے لگان وصول کر کے زندگی بسر کرنے کے علاوہ اس گھر میں اور کوئی سامنتی علامت باقی نہیں رہ گئی ہے۔

سکینہ، علی حسین کی بیٹی ایک چھریرے بدن کی خوبصورت لڑکی ہے۔ وہ پیانو پر بیٹھی ہوئی انٹرنیشنل (مزدوروں کا بین الاقوامی نغمہ) بجا رہی ہے۔

ساری کا آنچل بائیں کندھے سے سرکا ہوا ہے۔ داہنی طرف کھڑکی کے شیشوں سے چھن چھن کر ڈوبتے ہوئے سورج کی ہلکی ہلکی کرنیں اندر آرہی ہیں اور سکینہ کے پورے جسم پر پڑ رہی ہیں۔ اس کا آدھا چہرہ سورج کی شعاعوں سے چمک اٹھا ہے۔ اس کے بائیں طرف میز پر بجلی کا ایک پنکھا رکھا ہوا بڑی تیزی سے گردش کر رہا ہے۔

سکینہ گیت ختم کر کے اپنی انگلیاں روک لیتی ہے۔ پھر باجے سے کھیلنے لگتی ہے۔ رک رک کے باجے سے کچھ سُر باہر نکلتے ہیں اور ہوا میں پھیل جاتے ہیں۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے۔ سکینہ مڑکر ٹیلیفون کی طرف دیکھتی ہے اور پھر باجے کے سُروں سے کھیلنے لگتی ہے۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے۔ ایک نوکر اندر داخل ہوتا ہے۔ ٹیلیفون اٹھا کر کچھ بات کرتا ہے اور چونگی کو میز پر رکھ کر سکینہ کی طرف آتا ہے۔

نوکر۔ آپ کا ٹیلیفون آیا ہے۔

سکینہ (انگڑائی کے انداز میں اپنی انگلیاں چٹخاتی ہے) کون ہے؟ نام پوچھا تھا؟

نوکر۔ رفیق صاحب

(سکینہ تیزی سے ٹیلیفون کی طرف جاتی ہے نوکر باہر چلا جاتا ہے)

سکینہ۔ (ٹیلیفون ہاتھ میں لیکر) رفیق؟ . . . . . . ہاں ہاں سکینہ . . . . . میں ہی بول رہی ہوں . . . . . . بہت خفا ہو مجھ سے . . . . .

میں تو ہوں ہی ایسی - کیا کروں . . . . . . رفیق . . . . . اچھا - تم کہو
. . . . . . ہاں . . . . . ہاں . . . . . کل شام کو ؟ ایں ؟ . . . . . تم
کبھی نہیں آتے - ہمیشہ وعدہ کرتے ہو . . . . . . میں کوشش کرونگی
. . . جو بھی کچھ ہو جائے . . . . . . میں تمہارا انتظار کروں گی -

(ٹیلیفون رکھکر کمرے سے باہر چلی جاتی ہے)

(سورج ڈوب جانے کی وجہ سے کمرہ میں ہلکا سا اندھیرا ہو جاتا ہے۔
اقبال داخل ہوتا ہے - وہ لمبے قد اور چوڑے کندھوں کا ایک نوجوان
طالب علم ہے - نیلے رنگ کی قمیص اور سفید پتلون پہنے ہوئے ہے۔ بال
پیچھے کی طرف الٹے ہوئے ہیں۔ منہ میں پائپ لگا ہے۔ دروازے سے
پنکھے کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر اس کے قریب آتا ہے)

اقبال (پنکھا بند کرتے ہوئے) یہ آپ کیوں چل رہے ہیں ؟ (پیانو کے پاس جاتا ہے)
اچھا تو پیانو بج رہا تھا (مسکراتا ہے پیانو کے سروں پر بڑی تیزی سے ہاتھ
پھیرتا ہے۔ سارا کمرہ الجھے ہوئے نغموں سے گونج اٹھتا ہے ادھر ادھر دیکھتا ہے
پھر جاکر بجلی کا بٹن دبا دیتا ہے - کمرہ جگمگا اٹھتا ہے۔ سکینہ واپس آتی ہے)

سکینہ - (دروازے ہی سے اقبال کو دیکھکر) ارے اقبال ؟ تم کب یہاں آ گئے ؟
ابھی تو میں یہاں سے گئی تھی - (اقبال کے پاس آجاتی ہے)

اقبال - ابھی آیا ہوں کمرہ بالکل خالی تھا - پیانو صاحب پنکھے کی ہوا کھا رہے تھے۔

میں فوراً سمجھ گیا تم یہاں بیٹھی تھیں (سکینہ کے رخسار پر پڑی ہوئی بالوں کی ایک لٹ ہٹا دیتا ہے)

سکینہ۔ تم نے پنکھا کیوں بند کر دیا؟ گرمی نہیں لگتی؟ (جا کر پنکھے کا رخ صوفے کی طرف پھیر دیتی ہے۔ پنکھا پھر گردش کرنے لگتا ہے) اکیلے بیٹھے بیٹھے جی گھبرا گیا تھا۔ تو پیانو بجانے لگی۔ (اقبال قریب آتا ہے۔ سکینہ جا کر صوفے پہ بیٹھ جاتی ہے) تم آج سارے دن نہیں آئے۔ گھر پہ پڑے پڑے کیا کرتے رہتے ہو۔؟

(جا کر گلدانوں میں پھول لگانے لگتی ہے)

اقبال (صوفے کے قریب آ کھڑا ہوتا ہے) رات کو برج میں بہت ہار گیا تھا، اسے چکانا ضروری تھا۔ آج دن بھر برج کھیلا ہوں۔ صرف گیارہ روپئے واپس مل سکے۔ اکیس روپئے ہار گیا تھا۔

سکینہ تم برج کے آگے سب کچھ بھول جاتے ہو۔

اقبال یوں کہو تمہیں بھول جاتا ہوں (سکینہ کے برابر بیٹھ جاتا ہے) مگر تم تو مجھے میری موجودگی میں بھول جاتی ہو۔ میں تھوڑی دیر بیٹھوں، اور تم پیانو بجا کر سنانے لگو گی۔ لڑائی کی خبروں پہ بحث کرنے لگو گی۔

سکینہ میں تو بحث نہیں کرتی۔ تم کرتے ہو۔ تم نے تو اپنی زندگی ایسی بنا لی ہے کہ اپنے سوا کچھ سوچتے ہی نہیں ہو۔ تمہاری بلا سے دنیا میں کچھ ہو جائے۔

اقبال یہاں کمرے میں بیٹھ کر بحث کرنے سے کیا فائدہ۔ چار دن کی زندگی ہے

ہنسی خوشی گذار دینی چاہیئے۔ دنیا بھر کی فکر کرنے کا وقت کس کے

پاس ہے۔ . . . . ۔ دنیا میں ہمیشہ

کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔ میں نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ یہی تماشا

دیکھ رہا ہوں۔

سکینہ۔ یہ تو تمہارا بے فکرا پن ہے۔

اقبال۔ اگر ہر شخص میری طرح بے فکرا ہو جائے . . . . . .

سکینہ۔ تو دنیا کا بیڑہ غرق ہو جائے . . . . . .

اقبال۔ تو دنیا میں کچھ نہ ہو۔ اور ہر آدمی ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

سب سے بری چیز تو یہ فکر ہی ہے۔ فکر کی اور کام خراب ہوا۔

سکینہ۔ تمہارا مطلب یہ ہے کہ آدمی سوچنا سمجھنا چھوڑ دے۔

اقبال۔ ہمیں نیچر سے سبق لینا چاہیئے۔ چڑیاں بے فکری سے اڑتی پھرتی ہیں

کیسے بیٹھے بیٹھے گیت گاتی ہیں۔ کیسی پھدکتی ہیں۔ دریا کیسی بے فکری

سے بہتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے راستے میں کوئی نہیں آتا وہ سبکو اپنے ساتھ

بہا لیجاتے ہیں لیکن تم ہو۔ تمہیں دنیا بھر کی فکر ہے۔ روس میں کیا ہو رہا ہے

چین میں کیا ہو رہا ہے، یہاں کیا ہو رہا ہے، وہاں کیا ہو رہا ہے۔ ہو رہا

ہوگا تمہیں کیا۔

سکینہ۔ کیسے نہیں!؟

اقبال ۔ پیانو پر بیٹھو گی تو انٹر نیشنل بجانے لگو گی ۔ دنیا کے مزدوروں کا
گیت ہے ۔ اور کوئی گیت نہیں رہ گیا ہے ؟ جیسے سارے راگ ختم ہو گئے
سوچو اگر ساری دنیا میں انٹر نیشنل بجنے لگے تو لوگ اکتا کر خودکشی کرلیں
سکینہ ۔ بجتا ہی ہے ساری دنیا میں انٹر نیشنل ۔ ساری دنیا کے مزدور اسے
گاتے ہیں ۔ کیا تمھیں اچھا نہیں لگتا ؟
اقبال ۔ سنتے سنتے تو میرے کان پک گئے ۔
سکینہ ۔ تمھیں گانے سے دلچسپی نہیں ہے ۔ تم سمجھتے ہی نہیں ہو اس میں کتنا درد
ہے کتنا جوش ہے !
اقبال ۔ میں درد اور جوش ہی سے تو بھاگتا ہوں ۔ میں تو بڑی نرم زندگی چاہتا
ہوں ۔ سیدھی سادی . . . . . .
سکینہ ۔ مگر ہے کہاں سیدھی سادی نرم زندگی ۔ آدمی آدمی کو پھاڑے کھاتا ہے
اقبال ۔ مجھے تو کوئی نہیں پھاڑے کھاتا ۔ میری زندگی بڑی سیدھی سادی
ہے خود تمھاری زندگی بھی ایسی ہی ہے ۔ جس آدمی کو دوسرا آدمی پھاڑے
کھاتا ہو وہ فکر کرے ۔ ہمیں کیا غرض اس سے ۔
سکینہ ۔ (ہتھیار ڈال دیتی ہے) تمھیں کیسے سمجھاؤں ۔
اقبال ۔ سمجھانے کی کوئی بات ہو تو سمجھاؤ بھی ۔ تم تو ضدی ہو جس بات
پر ایک مرتبہ اڑ گئیں ۔ بس اس پر اڑی ہوئی ہیں ۔ (میز پر رکھی ہوئی

ایک پیالی میں اپنے پائپ کی جلی ہوئی تمبا کو نکالتا ہے) دیکھو تم پھر بحث کرنے لگیں

سکینہ۔ بحث تو تم کر رہے ہو۔ اپنے آگے کسی کی سنتے ہی نہیں ہو۔

اقبال۔ سکینہ ذرا آئینہ کے سامنے کھڑی ہو کر سوچو۔ تم دنیا بھر کی فکر پن کرنے کیلئے پیدا ہوئی ہو۔ کیوں اپنی جان کو جنجال لگا رہی ہو۔ اچھا خاصا آدمی گھن چکر بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ تو ایک قسم کا پاگل پن ہے۔ رفیق کو دیکھو ہمارے ساتھ پڑھتا ہے۔ درجہ میں سب سے تیز تھا۔ اب ہونق صورت بنائے پھرتا ہے۔ امتحان بھی نہیں دیا۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہیں تم بھی ویسی ہی نہ ہو جاؤ۔

سکینہ۔ (ٹھنڈا سانس کھینچ کر) میں ویسی کیسے ہو سکتی ہوں۔ رفیق نے بڑی قربانیاں کی ہیں۔ جسدن ویسی ہو جاؤں گی تم سے بات تھوڑی کروں گی (ہنسنے لگتی ہے)

اقبال۔ ہے کہاں وہ۔ میں نے تو بہت دن سے دیکھا ہی نہیں۔

سکینہ۔ تمہارے آنے سے ذرا پہلے میں رفیق سے بات کر رہی تھی۔

اقبال۔ (شوق سے) کیا رفیق یہاں تھا۔ کہیں دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اور ملتا بھی ہے تو ایسی جلدی میں جیسے گاڑی چھوٹ جائیگی۔ کیا چلا گیا؟

(اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہے)

سکینہ۔ وہ یہاں نہیں آیا تھا۔ ٹیلیفون پہ باتیں کر رہا تھا۔ میں نے بھی اسے بہت دن سے نہیں دیکھا ہے۔

اقبال۔ عجیب ولی جلول آدمی ہے۔ تم سے تو بڑی گھٹتی رہتی ہے۔ آخر کرتا کیا رہتا ہے؟

سکینہ۔ وہ تمہاری طرح بیکار تو ہے نہیں۔

اقبال۔ ارے میں بیکار ہوں۔ آج کل کالج بند ہے۔ کالج کے زمانے میں تو ایک منٹ کی چھٹی نہیں ملتی تھی۔ تم تو جانتی ہو (اپنا پائپ جلاتا ہے)

سکینہ۔ جی ہاں جانتی ہوں۔ درجے میں حاضری دیکر بھاگ جانا۔ چمنی کی طرح منہ سے دھواں نکالنا۔ برج کھیلنا اور بیئر پینا۔ یہی ہیں نا آپکے کام؟

اقبال۔ رفیق ہی کون سا پہاڑ ڈھکیل رہا ہے۔

سکینہ۔ تمہاری طرح کتے نہیں مارتا پھرتا۔

اقبال۔ صبح سے شام تک انقلاب انقلاب چلایا کرتا ہے۔ یا مزدوروں اور کسانوں کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کمبخت تو نہ مزدور نہ کسان۔ تیرے باپ دادا میں بھی کوئی مزدور یا کسان نہیں تھا۔ تو اپنی زندگی ان کے پیچھے کیوں خراب کر رہا ہے؟ وہ تجھے کچھ دیدیں گے؟ میں تو اسے پاگل پن کہتا ہوں۔ ابکی وہ مجھے ملے تو بے فکری پر ایک لیکچر دیدوں شاید اسکی سمجھ میں آجائے۔

سکینہ۔ تم تو ذرا بھی نہیں سمجھتے کہ رفیق مزدوروں اور کسانوں کی باتیں کیوں

کرتا رہتا ہے۔ انھیں کے تو بل بوتے پر اکڑتے پھرتے ہو۔

اقبال۔ (قہقہہ لگاتا ہے) اپنے بل بوتے پر اکڑتا ہوں۔ (پھر سنجیدہ ہو جاتا ہے)
کچھ آخر بیبو بھی ہے۔ وہ بھی سیاسی کام کرتا ہے۔ لیکن رفیق کی طرح
زاہد خشک نہیں ہے۔

سکینہ۔ اس کا ذکر میرے سامنے مت کرو۔

اقبال۔ رفیق اور تم تو بیبو کے نام سے ایسی بھاگتی ہو جیسے لاحول سے شیطان
آخر بات کیا ہے۔؟

سکینہ۔ مجھے تو اس کے نام سے نفرت ہے۔ اس کا یہاں آنا بھی برا لگتا ہے۔
مگر تمہاری سب کچھ جو سے چھوڑ نہیں کہتی ہوں۔ اس کی سیاست دوسری
ہے۔ وہ انقلاب نہیں چاہتا۔

اقبال۔ ایک لفظ تم نے کو لگا ہے انقلاب۔ انقلاب کے بعد کیا ہوگا؟ تم
سمجھتی ہو دنیا کا طریقہ بدل جائیگا؟ رفیق کہتا ہے سب مزدور راج
... حکومت کرینگے۔ یہ حکومت کریں گے؟ (ہنستا ہے) بات کرنے
کی تو تمیز نہیں۔ حکومت تو بڈھے کے زور سے ہوتی ہے۔

سکینہ۔ تم ہمیشہ مجھے چڑھانے کے لئے ایسی باتیں کرتے ہو۔ تمہیں بڑا مزا آتا
ہے۔ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔

اقبال۔ میں سب سمجھتا ہوں۔

سکینہ۔ تم کاٹ ہول سمجھتے ہو۔

اقبال۔ (اپنا ہاتھ سکینہ کے کمر میں ڈال دیتا ہے) تم تو ذرا سی بات میں بگڑنے لگتی ہو

سکینہ۔ میں نے تو صرف یہ پوچھا تھا کہ رفیق آجکل کیا کر رہا ہے۔

سکینہ۔ تمہارا سر (آہستہ سے اقبال کا ہاتھ اپنی کمر سے ہٹا دیتی ہے۔ اقبال اس کا ہاتھ پکڑے رہتا ہے)

اقبال۔ اچھا بھئی اب تمہارے مزدور کسانوں کو کچھ نہ کہوں گا۔ مجھے بھی ان سے ہمدردی ہے۔ اور نہ بھی ہو تو رفیق کب مانتا ہے۔ چاہے جب آ کر میری جیب ٹٹولنے لگتا ہے۔ میں اس سے کچھ کہہ بھی تو نہیں پاتا۔ (سکینہ کے قریب سرک آتا ہے)

سکینہ۔ کبھی دو چار روپے دے دیتے ہوں گے بس لگے جتانے میں کہتی ہوں تم اتنی شیخی کیوں مارتے ہو۔ اچھا کل کو کتنے روپئے دیتے ہو؟

اقبال۔ کیسے روپئے۔؟

سکینہ۔ روپئے کیسے ہوتے ہیں۔

اقبال۔ کھوٹے بھی ہوتے ہیں کھرے بھی ہوتے ہیں۔ . . . . . .

سکینہ۔ اونہہ۔

اقبال۔ ابھی پچھلے مہینے تو میں نے رفیق کو پانچ روپئے دیئے ہیں۔

سکینہ۔ دیئے ہوں گے۔ مجھ سے کیا مطلب۔ لو میں مانگ رہی ہوں۔ نکالو۔

(اقبال جیب سے بٹوہ نکالتا ہے۔ سکینہ اس کے ہاتھ سے بٹوہ لے لیتی ہے اور اس میں سے ایک دس روپیہ کا نوٹ نکال لیتی ہے)

اقبال۔ تم نے دس روپیہ نکال لئے ہیں تو مفلس ہو جاؤں گا۔

سکینہ۔ اتنے سارے تو نوٹ اس میں بھرے ہیں۔ تم ہو بالکل مکھی چوس۔ برج میں بیس بیس روپیہ ہار جاؤ گے۔ اور مجھے دس روپیہ دیتے ہوئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اقبال۔ تمہارے لئے تو پورا بٹوہ حاضر ہے۔

سکینہ۔ معاف کرو۔ کل طعنے دو گے (بٹوہ اقبال کی گود میں ڈال دیتی ہے) ہاں ایک بات تو کہنی بھول ہی گئی۔ ابا پوچھ رہے تھے کہ اقبال اب کیا کریگا۔

اقبال۔ شادی! تم نے کچھ نہیں دیا۔

سکینہ۔ ہشت۔ تمہیں ہر وقت مذاق سوجھتا ہے۔ ان کا مطلب تھا کہ تم آئی سی ایس میں بیٹھنے کی تیاری کر رہے ہو یا نہیں۔

اقبال۔ میں اگر آئی سی ایس نہیں ہوں" تو تم شادی نہیں کرو گی؟

سکینہ۔ میرے کرنے نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ تم گھوم پھر کے سارا الزام میرے ہی سر رکھ دیتے ہو (اپنی ساری کا آنچل انگلی پر لپیٹنے لگتی ہے)۔

اقبال۔ یہ تو بڑا مشکل سوال ہے (اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ کچھ سوچتا ہے) مجھ سے کتابوں کا کیڑا نہیں بنا جاتا۔ بہت دن کالج میں رگڑا۔ پھر بیٹھے بٹھائے غلامی کا طوق گردن میں ڈال لوں۔ اگر بغیر نوکری ہی کے زندگی بسر ہو سکتی

ہے تو نوکری کیوں کی جائے۔ میں بے فکری سے رہنا چاہتا ہوں۔ وہاں آئے دن کی مصیبت جان کو لگی رہے گی۔

سکینہ۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ آئی سی ایس ہونے کی قابلیت نہیں ہے۔

اقبال۔ گویا آئی سی ایس ہونے کے لئے بھی قابلیت کی ضرورت ہے۔ ہر بیچو آئی سی ایس ہو سکتا ہے۔

سکینہ۔ بہت سے آئی سی ایس بیچو نہیں ہوتے۔ اور نہ ہر بیچو آئی سی ایس ہو سکتا ہے۔

اقبال۔ اچھا خیر۔ خاص قسم کے بیچو آئی سی ایس ہوتے ہیں تمہیں مایوس ہو جانا چاہئیے۔ سکینہ۔ میں ان خاص قسم کے بیچوؤں میں نہیں ہوں

(دیوار سے لگی ہوئی ایک میز پر بیٹھ جاتا ہے)

سکینہ۔ میں کیوں مایوس ہو جاؤں گی۔ کوئی میں تھوڑی تمہیں آئی سی ایس بنانا چاہتی ہوں۔

اقبال۔ نہیں کچھ کچھ تو جی چاہ رہا ہے۔

سکینہ۔ مجھے کیوں بیکار الزام دیتے ہو۔

اقبال۔ پھر اپنے ابا کو راضی کرو۔ کچھ نہ کچھ تو تمہیں کرنا ہی پڑے گا۔ سکینہ

سکینہ۔ میں کیا کر سکتی ہوں میں تو تمہیں نوکری کیلئے مجبور نہیں کرتی مگر۔ ۔ ۔

اقبال۔ جب ابا کہتے ہیں تو میں بھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سکینہ۔ ابا اتنا نہیں کہتے جتنا اماں کہتی ہیں۔ میں تو بچپن سے یہی سن رہی ہوں کہ اپنی سکینہ کو آئی سی ایس سے ہی بیاہوں گی۔

اقبال۔ آئی سی ایس میں کون سا سرخاب کا پر لگا ہوتا ہے۔

سکینہ۔ اقبال آخر تم امتحان کیوں نہیں دے ڈالتے؟ نہیں تو . . . .

اقبال۔ نہیں تو کیا . . . تم میں کچھ ہمت ہے؟ (میز سے اٹھ کر سکینہ کی طرف آتا ہے) میں تو آج شادی کر سکتا ہوں۔ مگر تمہیں تو دنیا بھر کی فکریں ہیں۔

سکینہ۔ دنیا بھر کی تو نہیں ایک ابا کی فکر ہے۔ میں انہیں رنجیدہ نہیں کرنا چاہتی۔

(قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے اقبال اپنا پائپ جلانے لگتا ہے۔ امجد داخل ہوتا ہے وہ سفید سلک کا سوٹ پہنے ہوئے ہے)

امجد۔ (اقبال سے) یار تم خوب ہو۔ آج کی شام خراب ہوئی۔ اس چڑیل بینا نے پکچر چلنے کا وعدہ کیا تھا پھر وقت پہ چرکہ دیگی۔ (اپنی ٹائی ڈھیلی کر کے کالر کے بٹن کھول دیتا ہے) میں بھی ایسا بدلہ لوں کہ یاد کرے گی۔

(سکینہ مسکراتی ہے)

اقبال۔ کونسی پکچر جا رہے تھے؟

امجد۔ ڈیوواس۔ نیو تھیٹر کی پکچر ہے۔ آج آخری دن تھا۔ ہٹاؤ۔ بولو کچھ پیو گے؟ وہ آئیں یا نہ آئیں ہم تو بزم آرائیاں کریں۔ ابھی امینہ اور سنتوش بھی آتے ہوں گے۔

اقبال۔ تم امیو کو یہاں کیوں بلاتے ہو امجد؟ سکینہ کو اسکا آنا پسند نہیں

سکینہ۔ مجھے تو وہ آدمی زہر لگتا ہے۔

امجد۔ سکینہ تو چاہیے جس کے متعلق رائے قائم کر لیتی ہیں (سکینہ کی طرف مڑ کر) بھیر تم ہی بتاؤ؟ تمہاری سہیلیاں تو وہ نخرے کرتی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ کوئی تو دوست ہونا چاہیے۔ جب کوئی نہیں ہوتا تو امیو کو بلا لیتا ہوں۔ میں کیسے وقت کاٹوں؟ (جیب سے نکال کر سگریٹ جلاتا ہے)

سکینہ۔ آپ کی بھی تو دوست ہیں وہ۔ اکیلی میری ہی سہیلی تو نہیں۔

امجد۔ خوشامد کر کر کے ان لڑکیوں کا دماغ ہم ہی لوگوں نے خراب کر دیا ہے ان کا علاج یہ ہے کہ ان کی بات نہ پوچھو۔

سکینہ۔ زبان سے جو چاہو کہہ لو۔

اقبال۔ چلو کل پکنک چلیں۔ میرا تو پڑے پڑے دم گھٹنے لگا ہے۔

امجد۔ یہ بہت اچھا خیال ہے۔ سکینہ تم بھی چلو گی؟ مگر شرط یہ ہے کہ بینا کو لیتی چلو (آ کر سکینہ کے پاس صوفے کے ہتے پر بیٹھ جاتا ہے)

سکینہ۔ نہیں۔ لڑکیوں کی بات مت پوچھو۔ (ہنس کر اقبال کی طرف دیکھتی ہے) خود ہی بلاؤ میں نہیں بلاتی۔

امجد۔ (پیار سے سکینہ کے بازو پکڑ کر ہلاتا ہے اور خوشامد کے لہجے میں کہتا ہے) سکینہ!

سکینہ۔ اچھا بلاؤں گی۔

امجد - بلاؤ بلاؤں گی نہیں - بس لیجیو - اپنے بھائی صاحب کیلئے اتنا بھی نہیں کروگی - تم بڑی بدی بہن ہو -

(کھانسی کی آواز آتی ہے زمیندار علی حسین داخل ہوتا ہے وہ کوئی ساٹھ برس کا بوڑھا ہے گرم پتلون اور اسپر ٹھنڈا کوٹ پہنے ہے - ٹائی لگی ہوئی ہے سر پہ ہیٹ اور ہاتھ میں چھڑی ہے - چلنے میں تھوڑا سا لڑکھڑاتا ہے - علی حسین کے پیچھے پیچھے بیگم ہیں - ادھیڑ عمر اور دبیز جسم - ساری بہت کچھ بڑھاپے سے بندھی ہوئی ہے - رنگ کے انتخاب میں بھی زیادہ خوش مزاجی کو دخل نہیں ہے - ان دونوں کو دیکھکر سب کھڑے ہو جاتے ہیں)

علی حسین - (بیٹھ جاتا ہے) گدھا ہے بالکل گدھا اس سے گاؤں کا انتظام نہیں ہو سکتا - تم نے سنا - وہ میرا مختار بالکل گدھا ہے - یہ کبھی نہیں سوچتا کہ میں بیمار ہوں - مجھے آکر پریشان کرتا ہے - (کھانستا ہے) اپنے پیروں سے مجبور ہوں - بیس برس سے مجھے گٹھیا ہے نہیں تو آج گاؤں کا یہ حشر کیوں ہوتا - (کھانستا ہے)

بیگم - (ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے) اس نے لوٹ لوٹ کے اپنا گھر بھر لیا - پرسوں اسکی بیوی آئی تھی سونے سے لدی ہوئی تھی - انھیں خدا کا بھی ڈر نہیں دوسرے کا مال کیسے ہڑپ کر جاتے ہیں - اس کا گھر تو غارت ہو جائیگا حرام کی کمائی پھلتی نہیں -

علی حسین ۔ کسان آج کل سرکش ہو گئے ہیں کہ نہ پوچھو (کھانستا ہے) بیٹی ذرا میری نبض دیکھنا ۔ (ایک صوفے پر بیٹھ جاتا ہے ایک طرف بیگم اور دوسری طرف سکینہ بیٹھ جاتی ہے) مجھے آج کچھ حرارت ہے (سکینہ اسکی نبض پر ہاتھ رکھ دیتی ہے)

اقبال ۔ آپ آرام کیجئے نواب صاحب ۔ آپکی طبیعت ابھی سنبھلی نہیں ہے ۔

علی حسین ۔ وہ حرامزادہ مختار حسین آرام کرنے دے ۔ وہ تو چاہتا ہے کہ میں مر جاؤں ۔

بیگم ۔ خدا نہ کرے . . . . . مریں تمہارے دشمن ۔ ایسی بدفالی منہ سے کیوں نکالتے ہو ۔ مرے گا تو وہ مختار حسین جس نے پریشان کر رکھا ہے ۔

سکینہ ۔ آپ کو حرارت نہیں ہے ابا ۔

بیگم ۔ تم میری بات تو کبھی مانتے نہیں ۔ اپنی ہی کرتے ہو ۔ اتنے دن سے کہہ رہی ہوں کہ ان کمبخت گاؤں کو نکال کر اپنا پیچھا اس روز کی جھک جھک بک بک سے چھڑا لو ۔ مگر جب تمہاری سمجھ میں آئے ۔ اب تمہاری عمر اس قابل نہیں کہ صبح سے شام تک ہلکان ہوتے رہو ۔ زمانہ بھی خراب ہے آجکل کسی بات کا ٹھیک نہیں ۔

علی حسین ۔ تم سے کتنی مرتبہ کہا کہ ان گاؤں ہی سے ہماری عزت ہے گورنمنٹ میں میرا اعزاز ہے ۔ لاٹ صاحب کے دربار میں آگے کرسی ملتی ہے ۔ اور تمہیں ان گاؤں کے نکالنے کی جھک لگ گئی ہے ۔ بڑے بڑے دولتمند

بیٹے ہیں مگر ہمارے دروازہ پر آکر دو دو گھنٹے بیٹھتے ہیں۔ گورنمنٹ میں
انہیں کوئی پوچھ نہیں۔ کوئی عزت نہیں۔

بیگم۔ تمہیں ہر وقت عزت ہی کی پڑی رہتی ہے۔

علی حسین۔ عزت ہی تو سب کچھ ہے دنیا میں (دکھاتا ہے) یہ گاؤں تو خراب
اس مختار نے کیے ہیں۔ اس سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ کام کا آدمی نہیں ہے
بالکل نکما ہے۔ سارے گاؤں کشمش ہو گئے ہیں۔ دو دو ڈھائی ڈھائی
سال کا بقایا پڑا ہے۔ اب کسان تیر کمان بنا رہے ہیں اور وہ انہیں
روک بھی نہیں سکتا۔ (ہنستا ہے) تیر کمان سے کہتے ہیں جاپانیوں سے
لڑیں گے۔ نہ جانے کہاں سے ننگا ہی کو لاریں لکھوا لائے ہیں۔ انہیں
صاف کرتے ہیں۔ کہتے ہیں جاپانیوں سے لڑیں گے (دکھاتا ہے) بیگم بیٹھے
سہلاتی ہیں) ہوں! یہ سب بنا رہا ہے ہمارے خلاف ہیں۔ زمینداروں کے
خلاف۔ فوج میں جا کر بھرتی نہیں ہوتے (دکھاتا ہے) فوج کے نام
ہی سے دم نکلتا ہے۔ تیر کمان لیکر چلے ہیں جاپانیوں سے لڑنے (دکھاتا
ہے اور کھانسی کے جھٹکوں سے کندھے زور زور سے ہلنے لگتے ہیں) پچھلی لڑائی
میں میں نے دو ہزار آدمی دیئے تھے تب خان بہادر کا خطاب ملا تھا۔
اب کے بڑی مشکل سے تین ساڑھے تین سو آدمی دے سکا ہوں۔ اس مختار
نے گاؤں کا ستیاناس کر دیا۔

سکینہ (باپ سے) ابا آپ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ آپ آرام کیجئے میں ابھی
ڈاکٹر کو بلواتی ہوں۔

علی حسین۔ نہیں تم تھرمامیٹر لگا کے دیکھو مجھے ضرور حرارت ہے۔ میری آنکھیں جل
رہی ہیں۔ ہڈیوں میں درد ہے۔ ڈاکٹر بالکل گدھا ہے۔ اسے بلانے کی
ضرورت نہیں۔ تین سال سے میرا علاج کر رہا ہے اور ذرا بھی جو فائدہ
ہوا ہو۔ پانچواں ڈاکٹر میں نے بدلا ہے۔ ہر ڈاکٹر روپیہ لوٹنا چاہتا ہے
علاج کوئی نہیں کرتا۔ (کھانستا ہے) میں سوچتا ہوں ان گاؤں کا کیا
حشر ہو گا۔ امجد تو بالکل لاٹ صاحب ہیں۔ مگر گاؤں کا کام یوں تو نہیں
چل سکتا۔ کسان خود سر ہو ہی جائیں گے۔

امجد۔ مگر میں کیا کر سکتا ہوں ابا۔ ؟

علی حسین۔ یہی تو ہے کہ تم کچھ نہیں کر سکتے . . . .

سکینہ۔ (اٹھ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ باپ کو اٹھاتے ہوئے) اب آپ یہاں سے
چلئے۔ آرام کیجئے۔ میں آپکے تھرمامیٹر لگاؤں گی۔

علی حسین۔ (سکینہ کی طرف مخاطب بھی نہیں ہوتا) سب بیماریاں زمینداروں کے خلاف
ہیں۔ گورنمنٹ بھی کچھ نہیں کرتی۔ تمام ہتھیاروں پر پابندیاں لگا دینی
چاہئیں۔ (کھانستا ہے) کہتے ہیں زمینداریوں کو ہٹا دیں گے۔ پوچھو زمینداروں
کو ہٹا کر کہاں رہو گے۔ یہ اسپتال، کالج، اسکول کس نے بنائے ہیں۔

سب زمینداروں ہی کے روپیے سے تو ہیں۔ کہتے ہیں زمینداریوں کو مٹا دیں گے۔ اب جاپانیوں کے بہانے سے ہمارے لئے تیر کمان بنائے ہیں (ہنستا ہے)

سکینہ ۔ آپ چلکر آرام کیجئے ابا۔ دیکھئے آپ کی طبیعت اور خراب ہو رہی ہے۔

علی حسین ۔ پوچھو جاپان آجائیگا تو کونسی مصیبت نازل ہو جائیگی۔ ایک نہ ایک تو حکومت کرتا ہی ہے۔ انگریز نہ ہوں گے جاپانی ہوں گے۔ وہ نہ ہونگے کوئی اور ہوگا۔ دھنیے جلاہے تو حکومت کرنے سے رہے مگر وہ تو کسانوں کا راج قائم کریں گے مزدوروں کا راج قائم کرینگے یہ بھی بات ہے کہ ہزاروں آدمی ایک ساتھ حکومت کرینگے۔ ایک میان میں دو تلواریں تو رہ نہیں سکتیں۔ ایک ملک میں ہزاروں لاکھوں آدمی کیسے حکومت کرینگے (ہنستا ہے) اور جب سب حکومت کرینگے تو کام کون کریگا؟ ہل کون جوتیگا؟ مشین کون چلائے گا؟ (کھانستا ہے) جاہل ۔ تیر کمان بنائیں گے ۔

بیگم ۔ (علی حسین کو اٹھاتے ہوئے) تم اپنی طبیعت اور کیوں بگاڑ رہے ہو۔ زمینداریاں نہیں مٹ سکتیں جس خدا نے زمینداریاں بنائی ہیں وہی انکی حفاظت کریگا چلو اٹھو

علی حسین ۔ (کھڑا ہو جاتا ہے اور بڑبڑاتا ہوا سکینہ کے سہارے جاتا ہے) کچھ نہیں سب بدمعاش ہیں اس مختار کو تو میں نکال دوں گا۔ وہ کسی کام نہیں کر سکتا (سکینہ کی طرف مڑ کر) بیٹی میرا بستر لگاؤ گی؟

(بیگم پیچھے پیچھے جاتی ہے)

امجد۔ ابا سمجھتے ہیں کہ ہر شخص گاؤں کا انتظام کرسکتا ہے

اقبال۔ اس کیلئے تو پرانا گھاگھ ہو چاہیئے۔

امجد۔ یہی تو میں کہتا ہوں۔ جب اس مختار کے سنبھالے یہ کسان نہیں سنبھلے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔ یہ کسان دیکھنے میں تو بڑے سیدھے سادھے اور بھولے معلوم ہوتے ہیں مگر ہوتے ایسے نمبیا ہیں وہ چپ کر دیتے ہیں یار یاد کرو . . . . . . آج کی شام تو بڑی خراب ہوئی کوئی ہے ہو کوئی ہے ہ کریم او اقبال سے، چلو لان پر بیٹھیں دکریم داخل ہوتا ہے) دیکھو ادھر لان میں کرسیاں ڈال دو (کریم جانے لگتا ہے) اور سنو موٹر میں بوتل رہ گئی ہے وہ نکال لاؤ۔ اور گلاس رکھ دو تین چار گلاس رکھ دینا (کریم جاتا ہے) سنتو شی اور امیو بھی تو آتے ہوں گے (اقبال اور امجد بھی دروازے کی طرف جاتے ہیں۔ امجد جاتے جاتے کہتا ہے) یار اچھی شراب کو تو ترس گئے اب تو ملتی ہی نہیں۔

پردہ

(پردے کے پیچھے سے آوازیں آتی ہیں)

(ایک آدمی کی آواز) اب تو ملتی ہی نہیں۔ پٹرول بھی نہیں ملتا۔ ٹھیک بھی کیا شراب پی پی کر چلتے ہیں (مختلف آوازیں غیر مہذب چیخ و پکار میں بدل جاتی ہیں) بازار میں غلہ نہیں۔ شکر تک نہیں ملتی۔ شکر کیا کچھ نہیں ملتا۔ آدمی بھوکے سر رہے ہیں مٹی کا تیل بھی تو نصیب نہیں ہوتا۔ گھروں میں اندھیرا پڑا ہے۔ دن دن بھر دوکان پر کھڑے رہو تو مٹھی بھر چاول ملتے ہیں۔ کئی جگہ پولیس نے لاٹھی چارج کیا پولیس والے تو یونہی ڈنڈہ چلانے لگتے ہیں۔ ایک جگہ گولی بھی چلی۔ اور بنئے انھیں رشوت دیتے ہیں۔ غلہ چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔ موٹے ہو رہے ہیں بیلوں کی طرح سانڈ ہی سانڈ۔ روٹی اور چھوٹی قیمت پر بیچ رہے ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ چرا لیجاتے ہیں۔ غریبوں کا خون چوستے ہیں۔ خون پی پی کر مست ہوتے ہیں جیسے شرابی۔

دوسرا دن

ڈپٹی انور علی حسین کا مکان۔ لان پر بچھی کرسیاں رکھی ہیں۔ دو تین بچی بچی چھوٹی چھوٹی میزیں جن پر شراب کے گلاس رکھے ہیں۔ ایک میز پر سوڈے اور وہسکی کی بوتلیں اور سگریٹ کا ڈبہ رکھا ہے امجد، اقبال، امیو اور سنتوش بیٹھے شراب پی رہے ہیں

اقبال۔ (گھڑی دیکھتے ہوئے) نو بج گئے۔

امیو۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے ابھی تو رات بھیگی ہے۔ پھر اپنی ہی تو رات ہے۔
دیکھئے ہو سنتوش (سنتوش کے بازو پہ ہاتھ رکھ دیتا ہے) اقبال ہمیشہ سیدان چھوڑ دیتا ہے

سنتوش۔ مجھے تو وہ رات نہیں بھولتی . . . .

اقبال۔ سنتوش تو ایک ہی گلاس میں الٹ جاتا ہے۔ (ہنستا ہے)

سنتوش۔ تیسرا گلاس ہے۔

امیو۔ (اقبال سے) اور تم بھی تو خالی گلاس لئے بیٹھے ہو مجھے دیکھو یہ امیو کو۔
ساتواں گلاس ہے۔ لو تھوڑی سی اور لو۔ (اقبال کے گلاس میں وسکی انڈیل کر سوڈا

ملاتا ہے)

اقبال۔ بس۔ بس۔ امیو۔ زیادہ نہیں

(امجد ایک بڑا سا گھونٹ لیکے کرسی پہ آدھا لیٹ جاتا ہے)

امیو۔ لو امجد تو چل بسے۔ اس کی شرط نہیں ہے دوست۔

امجد۔ نہیں میں جاگ رہا ہوں۔ کیا سمجھتے ہو میں ہوش میں نہیں ہوں؟

سنتوش۔ ہوش میں ہو تو اور پیو۔ لڑکیوں کی طرح ایک گھونٹ پی کر شرابیوں کے
حلقے میں شامل ہونا چاہتے ہو۔ پینے کا لطف تو یہ ہے کہ بالکل شرابور
ہو جاؤ۔ لاؤ اپنا گلاس کچھ اور دوں۔

امجد۔ اب تمہارے ہاتھ سے کیا پیوں۔

امیو - اچھا لیٹے رہو۔ ابھی خراٹے لینے لگو گے۔

شتونش - دیکھو خراٹے مت لینا نہیں تو گلا گھونٹ دوں گا۔ سارا لطف خراب کر دوگے

مجھے تو وہ رات نہیں بھولتی . . . . . . پینے کا لطف تو

اقبال - وہ رات وہ رات کیا کر رہے ہو۔ آج کی رات کو دیکھو کیسی خوبصورت ہے پینے

کا لطف رات ہی میں ہے۔ میں تو کہتا ہوں رات کی برابر خوبصورت کوئی چیز نہیں

سارے آرٹ اور حسن کی تخلیق رات میں ہوئی ہے۔

شتونش - آرٹ کیا ساری تخلیق رات میں ہوتی ہے

(سب بے ساختہ قہقہہ لگاتے ہیں)

امیو - یار بات بڑے پتے کی ہے۔

اقبال - رات نرم اور گداز ہوتی ہے

شتونش - یہ ٹھیک کہتے ہو۔ رات نہ ہو تو زندگی میں کوئی لطف ہی نہ رہ جائے

رات - عورت اور شراب - بس یہ تین چیزیں ساری کائنات ہیں

(امجد زور سے خراٹہ لیتا ہے)

امیو - بانسری اچھی نہیں معلوم ہوتی - امجد - امجد - اٹھتے ہو کہ ڈالوں منہ

میں شراب -

شتونش - پڑا رہنے دو اسکو - ہمیشہ بد مذاقی پھیلاتا ہے اس کے ساتھ تو کبھی نہیں

پینی چاہیئے - اسی لئے تو کہتا ہوں کہ بغیر عورت کے شراب پینے کا لطف

نہیں۔ ایک عورت موجود ہو پھر سب تیر سے بیٹھتے ہیں۔

اقبال۔ ہر ایک اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

شتوش۔ اور کیا۔ اصل میں عورت اور شراب دو چیزیں نہیں ہیں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ شراب سب سے پہلے ایک عورت ہی نے بنائی تھی۔ سنا ہے تم نے وہ قصہ؟ ایران کے کسی بادشاہ کی کنیز تھی۔ زندگی سے اکتا گئی تھی۔ کہیں سڑے ہوئے انگور رکھے تھے سمجھی زہر ہے ان کا رس نچوڑ کر پی گئی۔ بس پھر کیا تھا لگ گئی جان دینے لگی آئی تیاری رگ۔ نئی روح۔ سارے غم بھول گئی شراب سارے غم بھلا دیتی ہے۔ (ہا ہا ہا ہا ہنستا ہے) سارے غم بھلا دیتی ہے سار

امجد۔ تمہاری بکواس کہاں گئی؟

شتوش۔ کیا غلط کہہ رہا ہوں؟ وہ کون شاعر ہے؟ اس نے کہا ہے۔ اسی کی بیٹی نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پہ۔ خیریت گزری جو انگور کے بیٹا نہ ہوا۔ بیٹا نہ ہوا۔ ایسے ہاں بیٹا نہ ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اقبال۔ (بڑی سنجیدگی سے) کیا مطلب ہوا اس کا؟

شتوش۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے؟ ارے بھائی عورت اور شراب ایک ہی چیز ہے۔ شراب انگور کی بیٹی کہلاتی ہے۔ اسی لئے تو شاعر نے کہا ہے بیٹا نہ ہوا

امجد۔ دوست تم چل نکلے۔ اڑانے لگے بے پر کی۔

شتوش۔ چل نکلنے کیلئے نہیں تو کیا مرنے کیلئے پیتے ہیں۔ (امجد کی طرف اشارہ کرتا ہے)

بہت سے لوگ ڈینگ مارتے ہیں۔ کہ ہمیں شراب پی کر نشہ نہیں ہوتا۔ جب تمہیں نشہ نہیں ہوتا تو پیتے ہی کیوں ہو۔ بد مذاق کہیں کے۔ پیو اور ناچنے لگو۔ ساری دنیا تمہارے ساتھ ناچ اٹھے۔

امیو۔ اب بند کرو اپنی ٹر ٹر۔

سنتوش۔ کیوں؟ کیا میں بہک رہا ہوں؟ اچھا بتاؤ کے گلاس پی سکتے ہو

امیو۔ تم ہی بتاؤ۔

سنتوش۔ ہیں، ہیں بارہ۔ پندرہ بیس تین چار معلوم نہیں کتنے گلاس۔

امیو۔ بس تم میں یہی تو عیب ہے۔ ذرا سی پی اور لگے بکنے۔

سنتوش۔ آدمی شراب پی کر ننگا ہو جاتا ہے۔ اچھائی برائی کچھ نہیں چھپا سکتا مجھے باتیں کرنے کا شوق ہے۔ تم میرا گلا گھونٹتے رہتے ہو۔ بولنے تک نہیں دیتے۔ مگر اس وقت مجھے کون روک سکتا ہے۔ ہاں ہاں روک سکتا ہے؟ (کھڑا ہو جاتا ہے)

امیو۔ اچھا اب بیہودگی بند کرو۔

سنتوش۔ ہاں مجھے کون روک سکتا ہے؟

امیو۔ میں روک سکتا ہوں۔ آیا سمجھ میں؟

سنتوش۔ ہوں۔ بڑے روکنے والے آئے۔ جاؤ۔ جاؤ۔ نہیں رکتے۔

امیو۔ (سنتوش کا کندھا پکڑ کر جھنجھوڑتا ہے) سنتوش ہوش میں آؤ۔

کیوں بک رہے ہو۔

سنتوش۔ہو ودن۔اب تمہاری یہ ہمت؟ ابتک گیارہ بم پھینک چکا ہوں۔
آٹھ سال جیل میں رہا ہوں۔

اسیو۔ اگر تم چپ نہیں ہوگے تو . . . .

سنتوش۔ تو کیا؟ کیا کروگے؟ تم ہمارا کیا کر سکتے ہو۔ پہلے ہماری ایک پارٹی
تھی۔ ابتو تم اور ہم اکیلے ہیں۔ میں تم سے کیوں ڈروں؟

اسیو۔ اچھا بتاؤں گا۔ (کرسی پر بیٹھ جاتا ہے)

سنتوش۔ تم کیا بتاؤگے؟ میاں گئے وہ دن جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے
تھے کسی ایسے آدمی کو دھکی دو جو تمہیں نہ جانتا ہو۔

اسیو۔ چپ رہو۔

سنتوش۔چپ کیوں رہوں؟ تم خود ہی تو اپنی پول کھلوانا چاہتے ہو۔ بتاؤ
تم پارٹی سے جان بچاکر نہیں بھاگ گئے؟ اپنے ساتھ مجھے بھی ڈبویا۔ بولو
تم نے اپنی جان بچانے کیلئے اپنے ساتھیوں کیا نہ گواہی نہیں دی؟ تم
نے پارٹی کے ساتھ غداری نہیں کی؟ تم نے دہشت پسندوں کے نام کو دھبہ
نہیں لگایا؟

اسیو۔ (گھبراتا ہے) ہوں (گردن ہلاتا ہے)

سنتوش۔ میں بھی تمہارے ساتھ غدار بنا۔ میں نے بھی اپنے ساتھیوں کو پھانسی

کے پھندے پہ لٹکوایا۔ کیا ہمیں تمہیں زندہ رہنے کا حق ہے؟ مگر حق تو حق
سب کو زندہ رہنا چاہیئے۔ اب یہ باتیں پرانی ہو گئیں۔ اب تو تمہارے
ہی ساتھ مجھے مرنا جینا ہے۔ (ہنستا ہے) اف اقبال (شراب کا ایک بڑا
سا گھونٹ پیتا ہے) گائیں وامیو خاموشی سے بیٹھا سنتوش کو گھورتا رہتا ہے۔

(اقبال اور سنتوش تالیاں بجا بجا کر گاتے ہیں)

کہاں جسٹر پہ جا بیٹھیں   کہاں جسے پہ جا بیٹھو
کہا افغان کا ڈر ہے   کہا افغان تو ہو گا
کہا جاپان کا ڈر ہے   کہا جاپان تو ہو گا۔

(وہ گاتے اور ناچتے رہتے ہیں کہ سکینہ نمودار ہوتی ہے۔ جو معلوم ہوتا ہے
کہ شور سن کر چلی آئی ہے۔ مگر یہ دونوں پرواہ نہیں کرتے۔ سکینہ تھوڑی
دیر خاموش کھڑی ہوئی انھیں دیکھا کرتی ہے۔ پھر اقبال کا ہاتھ پکڑ کر
اپنی طرف کھینچتی ہے)

سکینہ۔ اقبال! (اقبال جھجک کر گانا بند کر دیتا ہے۔ سنتوش بھی خاموش ہو جاتی ہے)
یہ کیا بڑ ڈھنگوں کی سی حرکتیں کر رہے ہو۔

اقبال۔ (رومال سے اپنا منہ پونچھتے ہوئے) ذرا سا گا رہے تھے سنتوش بھی تو۔۔۔

سکینہ۔ انھیں کے ساتھ تو تم بگڑ رہے ہو۔ گا رہے تھے یا بندریا کی طرح
ناچ رہے تھے۔

سنتوش۔ ہم بھانڈ ہیں ؟

اسیو۔ نہیں وہ اقبال کو بھانڈ کہہ رہی ہیں۔

سنتوش۔ اقبال کو بھانڈ کہہ رہی ہیں ؟ اقبال کو (ہنستا ہے) بھانڈ !

(زور سے قہقہہ لگاتا ہے)

سکینہ۔ (سنتوش سے) تم میرے معاملات میں دخل مت دو۔ میں تم سے کچھ نہیں کہہ رہی ہوں۔ (اقبال سے) بس اب ختم کرو بہت پی چکے۔

سنتوش۔ ابھی دو ہی تین گلاس تو پئے ہیں (سکینہ غصے سے اسکی طرف دیکھتی ہے)

اقبال۔ تم مجھے بھانڈ کہتی ہو سکینہ ؟

سکینہ۔ تم جیسی حرکتیں کر رہے تھے، جیسے تالیاں بجا بجا کے ناچ رہے تھے ــــــ سوچو گھر میں نوکر ہیں وہ دیکھیں گے تمہیں ــــــ آیا کیا کہیں گے۔

سنتوش۔ اپنے بھائی صاحب کی تو خبر لو۔ دیکھو کیسے پڑے ہوئے ہیں (ہنستا ہے) (سکینہ غصے سے سنتوش کی طرف دیکھتی ہے)

سکینہ۔ چپ رہو۔

اسیو۔ (سنتوش سے) تم آخر کیا کرنا چاہتے ہو سنتوش ؟ تم چپ کیوں نہیں ہوتے ؟ (سنتوش گلاس میں وہسکی انڈیلتا ہے)

اقبال۔ میں سمجھتا تھا تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ نہیں تو مجھے بھانڈ کیوں کہتیں

(سکینہ اقبال کو پکڑ کر ایک کرسی پر بٹھا دیتی ہے)

سنتوش - ہاں بھانڈ کیوں کہتی -

امیو - یہ سکینہ اور اقبال کا ذاتی معاملہ ہے - تم اس میں کیوں دخل دیتے ہو

سنتوش اچھا اب چلو یہاں سے - بہت دیر ہو گئی -

سنتوش - ایک گھونٹ تو اور پی لوں -

امیو - بس پی چکے - اب چلو - (سنتوش جلدی سے گلاس اٹھا کر چار پانچ گھونٹ
پیتا ہے - شراب اس کے منہ سے بہہ کر کپڑوں پر گرتی ہے - امیو اسکو سہارا دیتا
ڈھکیلتا ہوا لے جاتا ہے)

سکینہ - (غصے میں بڑبڑاتی ہے) یہ منحوس اور کیا کریں گے - یہاں گھس گھس کر
بیٹھتے ہیں اور تمہیں اپنے ساتھ خراب کرتے ہیں - (امیو مڑ کر سکینہ کی طرف
دیکھتا ہے اور چلا جاتا ہے)

اقبال - تم نے کبھی رفیق کو بھی بھانڈ کہا ہے ؟

سکینہ - رفیق کا اس وقت کیا ذکر ہے -

اقبال - میں آج اس معاملہ کو صاف کر لینا چاہتا ہوں -

سکینہ - مگر معاملہ ہی کیا ہے جسے تم صاف کرو گے اقبال ؟ (اقبال کے بالوں
میں انگلیاں ڈال دیتی ہے)

اقبال - (اپنا ہاتھ سکینہ کے بازو تک لیجاتا ہے - سکینہ کرسی کے ہتھے پر بیٹھ جاتی ہے

اور اقبال کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی رہتی ہے) ابھی تم نے مجھے بھانڈ کہا

شام کو میں نے ....

شکیلہ۔ (پیار سے) میں نے تمہیں بھانڈ نہیں کہا تھا۔ میں سنتوش اور امیو کو

کہہ رہی تھی۔

اقبال۔ تم نے مجھ سے مخاطب ہو کر بھانڈ کہا تھا

شکیلہ۔ تم سے نہ مخاطب ہوتی تو کس سے ہوتی۔ امیو اور سنتوش سے تو

میں بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔

اقبال۔ امیو اور سنتوش کو تم بیکار بیچ میں لا رہی ہو۔ تم نے مجھے بھانڈ

کہا تھا۔ شام کو میں نے ذرا سا رفیق کا نام لے لیا تھا تو تم مجھ سے

دو گھنٹے لڑیں۔

شکیلہ۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے اقبال؟ میں تو تم سے نہیں لڑی

اقبال۔ جب میں آیا تو تم رفیق سے بات کر رہی تھیں اور مجھ سے تم نے کہہ دیا

کہ رفیق نہیں آیا تھا۔ اور اس نے ٹیلیفون سے بات کی تھی۔ حالانکہ

ٹیلیفون کمرے ہی میں رکھا تھا۔

شکیلہ۔ کیا امیو اور سنتوش نے تم سے کچھ کہا ہے؟

اقبال۔ (جھنجھلا کے) امیو اور سنتوش کیا کہیں گے۔ تم ان کا نام لے کے

ساری بات ٹال دینا چاہتی ہو۔ تم رفیق کیلئے روپیہ جمع کرتی ہو۔

رفیق کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتی ہو۔ چھپ چھپ کر رفیق سے ملتی ہو۔ بات یہ ہے کہ تم رفیق سے محبت کرتی ہو۔ اور مجھ سے کھیلتی ہو۔

سکینہ۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں اقبال (اقبال کا ہاتھ پکڑ کر روک لیتی ہے)

اقبال۔ میں تو بھانڈ ہوں۔ مجھ سے تم کیوں محبت کرنے لگیں۔ (سکینہ کے دونوں بازو پکڑ کر اسے گھورتا ہے پھر ایک دم سے اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ سکینہ آواز دیتی رہ جاتی ہے)

سکینہ۔ اقبال۔ اقبال۔

پردہ

(پردے کے پیچھے سے آوازیں آتی ہیں)

(سکینہ کی آواز) اقبال ——— میں تم سے محبت کرتی ہوں

اقبال (اقبال کی آواز) تم رفیق سے محبت کرتی ہو اور مجھ سے کھیلتی ہو۔ (امیو کا قہقہہ۔ پھر نوکروں کی سرگوشیاں) آج وہ دونوں خوب لڑے۔ اس گھر میں کسی کی کسی سے نہیں بنتی۔ بیگم گاؤں بیچنے کی بات کر رہی تھیں۔ نواب صاحب گاؤں بیچنا نہیں چاہتے (ایک زور کی آواز) مگر اب گاؤں رہ کہاں جائیں گے (بہت سی آوازیں ایک ساتھ آتی ہیں) طاقت ختم ہو رہی ہے

جاپانی شہنشاہیت دم توڑ رہی ہے اب انسان پر انسان حکومت نہیں کرے گا۔ سرمایہ داروں کی طبقوں میں انتشار ہے۔ حکمران طبقہ کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ جھٹکے ایک سے وہ اس طرح ٹوٹ رہے ہیں جیسے لوہے سے پتھر ٹوٹتا ہے اب جاپانی سامراج اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ وہ بندوقوں اور توپوں کا سہارا لیکر کھڑا ہونا چاہتا ہے۔ (ایک باوقار آواز) بندوقوں کے سہارے پر کھڑے ہوئے سامراج کو فاشزم کہتے ہیں۔

(بہت سی آوازیں) فاشزم مردہ باد۔ فاشزم کے خلاف متحد ہو جاؤ۔ دنیا کے مزدور و ایک ہو جاؤ۔ فاشزم کو اپنے ایکے سے کچل دو ——— کچل دو ——— کچل دو۔

تیسرا سین

ایک چھوٹی سی تاریک کوٹھری جس میں ایک لالٹین ٹمٹما رہی ہے لالٹین کے سامنے ایک کسان عورت اور دو مرد بیٹھے ہیں۔ ان کے سامنے بہت سے بانس کے چھیلے ہوئے ٹکڑے رکھے ہیں۔ جنھیں وہ

جھکا جھکا کر رسی سے بان بٹ رہے ہیں اور کسانوں کی شکل میں تبدیل
کر رہے ہیں۔ لالٹین کی مدھم روشنی میں انکے پورے خط و خال نمایاں نہیں ہیں
دیوار پر بڑی بڑی پرچھائیاں پڑ رہی ہیں۔

عورت۔ آج وہ دونوں ابھی تک نہیں آئے۔

پہلا کسان۔ آتے ہونگے۔ کام کاج میں دیر لگ ہی جاتی ہے۔

دوسرا کسان۔ تو تو ذرا ذرا سی بات کا بکھان کرنے لگتی ہے۔ سوچ تو چھپے چھپے
کام کرنا کتنا مشکل ہے۔ پولیس کتوں کی طرح پیچھے لگی رہتی ہے۔

پہلا کسان۔ نہ جانے کب تک اسطرح چھپ چھپ کے کام ہوگا۔ ایسی اندھی سرکار تو
دیکھی ہی نہیں جو ملک کی سیوا کریں ان پر یہ ظلم۔ جو سرکار کی جوتی چاٹیں
کسانوں اور غریبوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹیں۔ انھیں بڑی بڑی
تنخواہیں ملتی ہیں۔ خان بہادر کہلاتے رہیں۔

دوسرا کسان۔ ان خان بہادروں کے سنبھالے ملک تھوڑی سنبھلے گا اگر جاپان نے
حملہ کردیا تو میدان میں ہمیں سینہ تان کے کھڑا ہونا پڑے گا۔

پہلا کسان۔ ہاں کسی اور کا تو کچھ نہ بگڑے گا مصیبت تو جنتا پر آئے گی سچ پوچھو
تو ہم جانیں گے اس لئے ہمیں کو ملک کی حفاظت کے لئے سینہ تان کے
کھڑا ہونا پڑے گا۔

دوسرا کسان۔ تب ہی تو کمیونسٹ کہتے ہیں کہ ملک کے بچاؤ کا کام جنتا کے ہاتھ میں آنا چاہئے۔

پہلا کسان۔ ہمیں تیر کمان تک نہیں بنانے دیتے۔

دوسرا کسان۔ ارے ہمارے گاؤں کا یہ خان بہادر بڑا پاپی ہے مرے ہوئے سوم کی طرح سونے کے ڈھیر پر سانپ بنا بیٹھا ہے۔

پہلا کسان۔ سوم بھی مرتا ہے تو اپنی حرام کی کمائی اپنے بال بچوں کیلئے چھوڑ جاتا ہے مگر علی حسین کے تو نبس کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔

دوسرا کسان۔ سنا ہے علی حسین جاپان کا ساتھی ہے۔

پہلا کسان۔ وہ جاپان وایان کسی کا ساتھی نہیں وہ بس اپنے گاؤں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جاپان آجائیگا تو یہ گاؤں باقی رہ جائیں گے۔ اسی لئے ہمیں ملک کی رکشا نہیں کرنے دیتا۔

دوسرا کسان۔ پھر ہم کیا کریں گے۔

پہلا کسان۔ ہم اپنا سنگٹھن کریں گے۔ ملک کی رکشا ہمارا حق ہے۔ اس سے ہمیں کون روک سکتا ہے۔ ہمارے ایکے کے سامنے علی حسین کی کچھ نہ چلے گی۔

دوسرا کسان۔ سنا ہے کہ وہ ہمارے تیر کمان بنانے پر بہت بگڑ رہا ہے۔

پہلا کسان۔ بندر کو جب پکڑو تو بھبکی دیتا ہے، پھر کھیس نکال دیتا ہے۔ اور آخر میں مداری کی ڈگڈگی پر ناچتا ہے۔ یہی ہمارے خان بہادر علی حسین کا حال ہوگا۔

دوسرا کسان۔ کیا اور ملکوں میں بھی یہی اندھیر نگری ہے۔ کیا وہاں کی جنتا کبھی

ملک کی رکھشا کرنے سے روکا جاتا ہے۔

پہلا کسان۔ اتنی تو نہیں مگر کچھ اندھیر نگری تو ضرور ہے۔ ہر ملک کے زمیندار اور سرمایہ دار جنتا کی بوٹیاں نوچتے ہیں۔ تم نعرہ لگاتے ہو دنیا کے مزدورو ایک ہو جاؤ۔ جنتا کا ایکتا قائم کرو۔ اسی لئے تاکہ جب تک یہ خون چوسنے والی جونکھیں ختم نہ ہوں گی تب تک جنتا کو سکھ نہ ملے گا۔

دوسرا کسان۔ کیا روس میں بھی ایسی جونکھیں ہیں جو جنتا کا خون چوستی ہیں؟

پہلا کسان۔ روس میں تو پنچایتی راج ہے۔ وہاں سیٹھ، زمیندار، مل مالک کوئی نہیں جو خون چوسیں۔ وہاں تو کسانوں اور مزدوروں کی اپنی سرکار ہے۔

دوسرا کسان۔ ہم بھی ہندوستان میں کسانوں اور مزدوروں کی سرکار بنائیں گے۔

پہلا کسان۔ پہلے جاپان کو مار بھگاؤ۔ جب ملک رہ جائے گا تب اپنی سرکار بن سکے گی۔ جب تمہارے پاس کھیت رہیگا تب ہی تو دانہ اُگاؤ گے

(دوسرا کسان سر ہلاتا ہے)

(عورت کی طرف مڑ کر)

ارمی گن تو کتنی کمائین بن گئیں۔

عورت۔ بیس ہو گئیں۔ پانچ اور بن جائیں تو آج کا کام ہو جائے۔

دوسرا کسان۔ پھر بنا جلدی جلدی۔

عورت - میں تو بنا رہی ہوں جلدی جلدی - مگر جی تو انھیں دونوں میں لگا
ہے ابھی تک نہیں آئے۔ آدھی رات تو ہو چکی ہو گی۔

پہلا کسان - وہ دونوں آ جائیں گے بچے تھوڑی ہیں - جو کہیں کھو جائیں -

عورت - کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے روز پڑا پڑا ٹھنڈا ہو جاتا ہے - جی لگا کے کھاتے
بھی تو نہیں ہیں آئے اور دو نوالے کھا کے اٹھ گئے تب ہی تو بدن پہ بوٹی
نہیں چڑھتی - سارے دن اور ساری رات کام کرتے ہیں -

پہلا کسان - مگر ہمارے ہی سب کیلئے کام کرتے ہیں۔

عورت - میں کب کہتی ہوں کہ ہمارے لئے کام نہیں کرتے مگر انھیں دیکھ کے پھر
تو آنسو آ جاتے ہیں - گھر بار سب کچھ چھوڑے ہوئے ہمارے لئے دکھ
اٹھا رہے ہیں - میں اور کچھ نہیں کہتی - بس اتنا چاہتی ہوں کہ پیٹ
بھر کے کھانا تو کھا لیا کریں - تن پہ بوٹی ہو گی تو کام بھی کریں گے -

دوسرا کسان - تو تو بڑی ہی بیوقوف ہے - کہیں تن پہ بوٹی چڑھا کے کام ہوتا
ہے - بنیے، زمیندار، پولیس والے سب کھا کھا کے پھول لیتے ہیں بن
پر روز دو سیر چربی چڑھتی ہے - مگر کام کے نام سے تھر تھر کانپتے
ہیں - بس جونک کی طرح جنتا کا خون پیا کرتے ہیں -

عورت - بھلا جاپانی بھی اتنے ہی موٹے ہوتے ہیں -

پہلا کسان - میں نے تو کوئی جاپانی دیکھا نہیں ہے۔

دوسرا کسان - ضرور اتنے ہی موٹے ہوتے ہوں گے۔ وہ بھی جنتا کا خون پیتے ہیں

عورت - کیا ہمارے تیر ان کے بدن میں گھس جائیں گے۔

پہلا کسان - ضرور گھس جائیں گے۔ تیر تو پتھر میں گھس جاتا ہے۔ چلانے والے کے ہاتھ

میں زور ہونا چاہیئے۔ (عورت اس کا منہ دیکھتی ہے)

دوسرا کسان منہ کیا دیکھ رہی ہے۔ کیا سمجھتی ہے ہمارے ہاتھ میں زور

نہیں ہے۔ ہم زمین سے دانہ اگاتے ہیں۔

پہلا کسان - پھر زور تو کلیجے سے پیدا ہوتا ہے۔ دیکھ ہمارا کلیجہ کتنا بڑا ہے۔

سال بھر محنت کر کے فصل کاٹتے ہیں۔ اسے زمیندار اور بنیئے اٹھا لیجاتے

ہیں ہم پھر سال بھر محنت کرتے ہیں۔ مگر ہمارے بال بچے ہمیشہ بھوکے

مرتے ہیں دانے دانے کو ترستے ہیں۔ بنیئے کو اگر سود کا روپیہ نہ ملے تو

پاپی کا کلیجہ پھٹ جائے۔ ہم سب ظلم سہتے ہیں اور کام کرتے رہتے

ہیں۔ اور ہر سال اتنی ہی فصل پیدا کرتے ہیں جتنی وہ سب اٹھا لیجاتے

ہیں۔ ہمارا سا زور اور کلیجہ کس کے پاس ہے۔؟

دوسرا کسان - اب تو اپنے ہی کو دیکھ لے۔ تیری عمر چالیس برس کی ہے۔ تیرے

بارہ بچے پیدا ہوئے۔ مگر تو اب بھی چکی پیستی ہے دھان کوٹتی ہے اور

ہمارے ساتھ بیٹھی ہوئی کمان بنا رہی ہے۔

عورت۔ میرے بارہ بچوں میں سے بس ایک زندہ ہے۔ اگر انھیں کھانے کو ملتا اور بیماری میں دوا دارو ہو جاتی تو وہ کیوں مرتے۔

پہلا کسان۔ مرنے کیلئے کیا روتی ہے۔ اپنے بچے کے مرنے کا دکھ تو سب ہی کو ہوتا ہے مگر یہ دیکھو کہ ہمارے بچے مر جاتے ہیں پھر بھی ہمارا زور نہیں گھٹتا۔ کسانوں ہی کے زور سے ہندوستان کی شکتی ہے۔

عورت۔ میرا للو جب بڑا ہو جائے گا تو بالکل اپنے باپ کی طرح ہو گا اس کے ہاتھوں میں ابھی سے بڑا زور ہے۔

دوسرا کسان۔ آج اس نے ایک پیڑ پر تیر چلایا تو آدھا تیر اندر گھس گیا میں نے اپنے جی میں سوچا کہ للو بڑا ہو کر باپ سے بھی زیادہ گٹھیلا جوان ہو گا۔ وہ دن بھر میں ایک کھیت جوت ڈالتا تھا۔ للو اس کی عمر کو پہونچے گا تو دو کھیت جوتے گا۔

(دو کمیونسٹ داخل ہوتے ہیں۔ مرجھائے ہوئے چہرے، دکھ بھری آنکھیں اور الجھے ہوئے بال۔ ان کی بغل میں کاغذوں کا بنڈل ہے)

عورت۔ تم آ گئے ؟ (کھڑی ہو جاتی ہے) میں کب سے تمہاری راہ دیکھ رہی تھی۔ تمہیں تو کام کے آگے کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں۔

پہلا کمیونسٹ۔ آخر کتنا کھائیں ؟ جب دیکھو تم کھانا لئے کھڑی رہتی ہو (ہنستا ہے)

عورت۔ کھانا لاؤں؟ آج بڑی اچھی مچھلی ہے۔

دوسرا کمیونسٹ۔ نہیں ہم کھانا کھا آئے ہیں۔ تمہاری طرح سب کسان ہمیں محبت سے کھانا کھلاتے ہیں۔

عورت۔ (مایوسی کے لہجے میں) نہ جانے تم دونوں کیا کرتے رہتے ہو۔ روز کھانا خراب ہوتا ہے کبھی تم نے دو نوالے سے زیادہ نہیں کھایا۔

دوسرا کمیونسٹ۔ جیسے ماں اپنے بچے کو سب کچھ کھلا دینا چاہتی ہے ویسے ہی تم ہمیں کھلانا چاہتی ہو۔ (کاغذوں کا پلندہ زمین پر رکھ دیتا ہے) کھاتے نہیں تو زندہ کیسے رہتے ہیں۔

عورت۔ تمہارے دلوں میں شکتی ہے۔ اتنا تھوڑا سا کھا کے کوئی زندہ نہیں رہ سکتا (کمیونسٹ صرف مسکرا دیتے ہیں)

پہلا کمیونسٹ۔ (کسان سے) آج تم نے بہت سی کمانیں بنا ڈالیں۔

پہلا کسان۔ آج پچیس کسان اور بھرتی ہوئے ہیں اب ہمارا دل بڑھ رہا ہے۔

دوسرا کسان۔ لڑکی ماں اب یہ کمانیں اٹھا لیجا۔ پچیس تو ہو گئی ہوں گی۔ (وہ کمانیں اٹھانے لگتی ہے)

پہلا کمیونسٹ۔ تم کتنی دیر میں آ جاؤ گی؟

دوسرا کمیونسٹ۔ بس ابھی آتا ہوں (بڑھیا کمانیں لیکر چلی جاتی ہے)

پہلا کمیونسٹ۔ صبح تک تو لوٹ آؤ گے؟ سمجھا دینا کہ دو دو ہزار اشتہار بانٹ لیں۔ رفیق ملو گے؟ پوری رپورٹ لیکر آنا۔

دوسرا کمیونسٹ۔ تم اطمینان رکھو میں سب ٹھیک کر لوں گا ——— جب ہم الگ ہوتے ہیں تو یقین نہیں ہوتا کہ دوبارہ کب ملیں گے۔ اچھا (مٹھی باندھ کر اپنے ساتھی کو انقلابی تہنیت دیتا ہے اور جانے لگتا ہے)

پہلا کمیونسٹ۔ ہم کمیونسٹ ہیں۔ ہمارے جسم الگ الگ ہیں لیکن دل و دماغ ایک ہی ہے۔ ہم چاہے جتنی دور ہوں لیکن ایک دوسرے کے پاس رہتے ہیں۔ (دوسرا کمیونسٹ نکل جاتا ہے)

پہلا کسان۔ آج بڑے مزے کی بات ہوئی۔ دوپہر کو تمہارے چلے جانے کے تھوڑی دیر بعد امیو کی ٹولی کے دو آدمی آئے تھے۔

دوسرا کسان۔ ٹولی کیوں کہتے ہو کل تین چار ہی تو ہیں۔

پہلا کسان۔ اچھا ٹولی نہ سہی (کمیونسٹ کی طرف مڑ کر) ہم سب تیر چلا رہے تھے وہ آکر کھڑے ہو گئے۔ میں نے پہچان لیا کہ یہ امیو کی ٹولی والے ہیں۔ میں نے پوچھا کہو کیسے آنا ہوا؟ تو کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ دونوں ایکدوسرے کی صورت تکنے لگے پھر ایک بولا کیا تیر کمان سے لڑ کر جاپانیوں کو بھگا دو گے۔ میں نے کہا کہ تیر اور کمان ہمارے ایکے کی نشانی ہے اس پہ دوسرا کہنے لگا کہ جاپانی یہاں نہیں آئینگے۔ انگریزوں سے لڑو۔

پہلا کمیونسٹ۔ اس کا تم نے کیا جواب دیا۔

پہلا کسان۔ میں نے یہی کہا کہ ملک کا بچاؤ اپنے ہاتھ میں لیں گے۔

دوسرا کسان۔ اور مجھ سے انھوں نے دوسری ہی بات کی کہنے لگے کہ زمیندار تمہیں کمانیں بنانے کیلئے بانس نہیں دیتے تو تم بانس میں آگ کیوں نہیں لگا دیتے۔

پہلا کسان۔ وہ آجکل بھوت پریت کی طرح گھوم رہے ہیں۔ کسانوں کو بھڑکاتے ہیں کہ تمہاری لڑائی تو زمینداروں سے ہے جاپانی آ جائینگے تو تمہارا کیا جائے گا لوٹے تو یہ زمیندار جائیں گے کہتے ہیں کہ زمیندار کے کارندے کو مار دو۔ اصل میں وہ فساد کرانا چاہتے ہیں۔ مگر ہم چپ چاپ اپنا سنگھٹن کریں گے۔ زمینداروں کو ہمارے آگے جھکنا پڑے گا۔

پہلا کمیونسٹ۔ پھر ان دونوں نے کیا کیا۔

پہلا کسان۔ کچھ نہیں ادھر ادھر گھومتے رہے۔ کسی نے ان سے بات ہی نہیں کی پھر اپنا سا منہ لیکے چلے گئے۔

دوسرا کسان۔ ہاں میں نے پوچھا کہ اگر جاپان آج حملہ کر دے تو تم کیا کرو گے۔ کہنے لگے جب حملہ کرے گا تب دیکھا جائے گا۔ میں نے کہا دیکھا نہیں جائیگا ہم جاپانیوں کو اور انکے ساتھ تمہیں بھی کچا چبا ڈالینگے

پہلا کمیونسٹ۔ تمہارے اس وقت بہت سے دشمن ہیں۔ جاپانی جو دروازے پر تاک لگائے کھڑے ہیں، جاپانی ایجنٹ جو کتوں کی طرح اپنے جاپانی مالکوں کے اشاروں پر بھونکا کرتے ہیں۔ پولیس والے جو اپنے ہی بھائی برادروں پر ظلم کرتے ہیں۔

دوسرا کسان۔ (جوش سے) ذرا ہمارا سنگھٹن بڑھنے دو پھر ہم ان سب کو بھگت لیں گے۔

(کسان عورت گھبرائی ہوئی اندر آتی ہے)

عورت۔ تم نے سنا ہے بشناتھ پکڑ لیا گیا۔

پہلا کمیونسٹ۔ کیسے؟

عورت۔ پولیس نے گاؤں پر چھاپہ مارا تھا۔ گاؤں کے لڑکے خبر لائے ہیں۔ خبر ہے کہ آج رات کو پولیس بہت سے گاؤں پر چھاپہ مارے گی

پہلا کمیونسٹ۔ (زور سے سوچتا ہے) بہت سے گاؤں پر چھاپہ مارے گی۔

عورت۔ تم سب پکڑے جاؤگے تو ہمیں کون بچائیگا۔

پہلا کمیونسٹ۔ تم سب سے ہمارا بچاؤ ہے۔ تمہیں تمہارا ایکا اور سنگھٹن بچائیگا

عورت۔ کیا یہاں بھی پولیس چھاپہ مارے گی؟

پہلا کمیونسٹ۔ کیا خبر۔

پہلا کسان۔ بشناتھ کی گرفتاری کی خبر بہت بری آئی یہ کسانوں کا ایکا

توڑنے کی تیاری ہے۔

پہلا کمیونسٹ - زمیندار اور حاکم دونوں دیہات کی خبریں سن سن کر گھبرا رہے ہیں جب سے کسانوں نے تیر کمان کی مشق شروع کی ہے زمیندار بالکل بوکھلا گئے ہیں۔ سنا ہے علی حسین تو پاگل ہو گیا ہے۔ سرکار جانتی ہے کہ ہم سب کسانوں کے گھروں میں چھپے ہوئے ہیں۔ لیکن ہمارا پتہ نہیں لگا پاتی۔

دوسرا کسان - آج انھوں نے بشناتھ کو پکڑ لیا تو کیا۔ ہم انھیں مزا چکھائینگے

پہلا کسان - ان بدمعاشوں کا کیا علاج ہے۔

پہلا کمیونسٹ - کسانوں کا اتحاد اور ایکا۔

عورت - (کمیونسٹ سے) تم کہیں چھپ جاؤ -

پہلا کمیونسٹ - (ہنس کر) اب اور کہاں چھپ جاؤں؟ چھپا تو ہوا ہوں۔

عورت - اگر یہاں پولیس آ گئی تو؟

پہلا کمیونسٹ - میں اپنے بھر تو چھپنے کی کوشش کر رہا ہوں (خود ہی) ایک نہ ایک دن تو ہماری پارٹی پر سے پابندیاں اٹھانی ہی پڑیں گی۔ (کسانوں کی طرف مڑکر) پولیس والے جاپانی ایجنٹ یہ سب تمہیں اکسائیں گے مگر تم چپ چاپ اپنا سنگٹھن کئے جاؤ۔ ہر جگہ تمہاری ہی جیت ہوگی

دوسرا کسان - زمیندار کے کارندے نے ہمارے گھروں میں آگ لگوا دی

تب تو ہم نے کچھ کہا نہیں

پہلا کمیونسٹ ۔ کہنے نہ کہنے کی بات نہیں ہے اصل میں وہ لوگ کسانوں میں فساد کرانا چاہتے ہیں تاکہ ہر قسم کے ہتھیاروں پر کمان اور لاٹھی تک پر پابندی لگا دے۔ یہ سب فاشسٹ قسم کی حرکتیں ہیں۔ ان سے جاپانیوں کو مدد ملے گی۔ تم اس چکر میں مت آنا۔ (کچھ سوچ) اچھا یہ بحث کرنے کا وقت نہیں ہے۔ دیکھو تم دونوں چلے جاؤ۔ اور جتنے ساتھیوں کو بشناتھ کی گرفتاری اور پولیس کے چھاپہ مارنے کی خبر بتا سکو بتا دو۔ جلدی چلے جاؤ۔ اور یہاں لوٹ کے مت آنا۔ پھر کل ملیں گے (عورت سے) اب تم جا کے سوؤ۔ (دونوں کسان چلے جاتے ہیں)

عورت۔ اور تم؟

کمیونسٹ۔ مجھے ذرا سا کام کرنا ہے (بڑھیا بھی چلی جاتی ہے)

(کمیونسٹ کچھ کاغذ پھیلا دیتا ہے اور ایک کاغذ پر کچھ لکھنے لگتا ہے)

(دھڑ سے دروازہ کھلتا ہے ایک دس گیارہ برس کا لڑکا ہاتھ میں تیر کمان لیے ہوئے داخل ہوتا ہے۔ پیچھے پیچھے کسان عورت آتی ہے)

لڑکا ۔ یہاں کوئی جاپانی تو نہیں ہے

عورت (لڑکے کا ہاتھ پکڑ کے) چل بیٹا ۔ یہاں جاپانی کہاں سے آیا ۔ اب چل کے سو۔ تیری نیند کہاں اڑ گئی ہے۔

(کمیونسٹ لڑکے کی طرف ہنس کر دیکھتا ہے۔ لڑکا ہاتھ چھوڑ کر اس کے پاس آجاتا ہے)

لڑکا۔ یہاں کوئی جاپانی تو نہیں ہے۔

کمیونسٹ۔ میں ہوں جاپانی۔ کہو تم کیا کرو گے؟

لڑکا۔ نہیں تم جاپانی نہیں ہو، جاپانی کی ناک چپٹی، آنکھیں چھوٹی اور صورت کتے کی سی ہوتی ہے

کمیونسٹ۔ اچھا اگر کوئی جاپانی ہو تو تم کیا کرو گے؟

لڑکا۔ (جوش میں) ہم اسے تیر سے ماریں گے۔ دیکھو ہم لالٹین پر تیر لگائیں؟

کمیونسٹ۔ نہیں بیچاری لالٹین نے کیا قصور کیا ہے۔ تم دروازے کی طرف تیر چلاؤ۔

لڑکا۔ اچھا دیکھو ہمارا نشانہ (زمین پر بیٹھ کر تیر چٹکی میں لیتا ہے۔ کمان کڑکتی ہے اور تیر سنسناتا ہوا نکل جاتا ہے۔ لڑکا زور سے چیختا ہے) ایک تیر ایک جاپانی (دونوں ہنس پڑتے ہیں)

کمیونسٹ۔ (لڑکے کی پیٹھ ٹھونک کر) شاباش! خوب نشانہ لگاتے ہو۔ اب تو ہندوستان میں کوئی جاپانی نہیں آسکتا۔

لڑکا۔ ہم اسے مار ڈالیں گے۔

عورت۔ (پیار سے) بڑا شریر ہے۔

کمیونسٹ۔ شریر بچے ہی اچھے ہوتے ہیں۔ روتے جھینکتے بچے کس کام کے شرارت

بھی وہی بچے کرتے ہیں جنکی اٹھان اچھی ہوتی ہے (لڑکا دوڑ کر باہر جانا

چاہتا ہے۔ لیکن تین پولیس والوں کو دیکھ کر ٹھٹک جاتا ہے)

پولیس انسپکٹر۔ (ایک ہاتھ سے ٹارچ کی روشنی اور دوسرے سے پستول دکھا کر) خبردار۔

ہلنا نہیں۔ بہت دنوں کے بعد ملے ہو۔ (دونوں سپاہی آ کر کمیونسٹ کا

بازو ادھر ادھر سے تھام لیتے ہیں)

میں تمہیں گرفتار کرتا ہوں تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں۔

پہلا کمیونسٹ۔ میں نہیں جانتا۔

انسپکٹر۔ تم یوں نہیں بتاؤ گے (سپاہیوں سے) اسے لے چلو۔

(سپاہی اسے لیکر چلنے لگتے ہیں)

لڑکا۔ تم انھیں کہاں لئے جا رہے ہو؟ یہ تو ہمیں تیر چلانا سکھاتے ہیں

(انسپکٹر لڑکے کے منہ پر ایک طمانچہ مارتا ہے اور اسکے ہاتھ سے کمان چھین لیتا ہے)

عورت۔ (لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتی ہے) ادھر آجا بیٹا۔ ان کے منہ

مت لگ (وہ سب چلے جاتے ہیں) پاپی یہ اسی کی تنخواہ پاتے ہیں۔

(پردہ گرتا ہے پیچھے سے آوازیں آتی ہیں)

(لڑکے کی آواز) اماں سپاہی انھیں کیوں پکڑ کے لے گئے؟ اب ہمیں تیر چلانا کون سکھائے گا؟ ہم جاپانیوں سے کیسے لڑیں گے؟ (وحشی جنگی رقص نغمہ کی آوازیں) ہم لڑیں گے خالی ہاتھوں سے، کدالوں سے۔ لاٹھیوں سے یہ ہماری لڑائی ہے ہم اپنے ملک کی حفاظت کریں گے۔ ہم تمام زنجیریں توڑ ڈالیں گے۔ ہم جاپانیوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ (گانے کی آواز)

یہ جنگ ہے جنگ آزادی — آزادی کے پرچم کے تلے
ہم ہند کے رہنے والوں کی — محکوموں کی مجبوروں کی
آزادی کے متوالوں کی — دہقانوں کی مزدوروں کی
یہ جنگ ہے جنگ آزادی — آزادی کے پرچم کے تلے

سارا سنسار ہمارا ہے پورب پچھم اتر دکن
ہم افریقی ہم امریکی — ہم چینی جانبازانِ وطن
ہم سرخ سپاہی ظلم شکن — آہن پیکر فولاد بدن
یہ جنگ ہے جنگ آزادی — آزادی کے پرچم کے تلے
ہم ہند کے رہنے والوں کی — محکوموں کی مجبوروں کی
آزادی کے متوالوں کی — دہقانوں کی مزدوروں کی
یہ جنگ ہے جنگ آزادی — آزادی کے پرچم کے تلے

وہ دنیا دنیا کیا ہوگی — جس دنیا میں سوراج نہ ہو
وہ آزادی آزادی کیا — مزدور کا جس میں راج نہ ہو

یہ جنگ ہے جنگ آزادی — آزادی کے پرچم کے تلے
ہم ہند کے رہنے والوں کی — محکوموں کی مجبوروں کی
آزادی کے متوالوں کی — دہقانوں کی مزدوروں کی
یہ جنگ ہے جنگ آزادی — آزادی کے پرچم کے تلے

لو سرخ سویرا آتا ہے — آزادی کا آزادی کا
گلنار ترانہ گاتا ہے — آزادی کا آزادی کا
دیکھو پرچم لہراتا ہے — آزادی کا آزادی کا
یہ جنگ ہے جنگ آزادی — آزادی کے پرچم کے تلے
ہم ہند کے رہنے والوں کی — محکوموں کی مجبوروں کی
آزادی کے متوالوں کی — دہقانوں کی مزدوروں کی
یہ جنگ ہے جنگ آزادی — آزادی کے پرچم کے تلے

(مخدوم محی الدین)

(پولیس کی آواز) تم جلوس نہیں نکال سکتے۔ تم جلسہ نہیں کر سکتے۔ قانون شکنی ہو رہا ہٹو یہاں سے پانچ منٹ میں تتر بتر ہو جاؤ۔ فائر (بندوقوں کی آوازیں مجمع کا شور یہ آوازیں ہوائی جہازوں کی بھنبھناہٹ اور بموں کے دھماکے میں بدل جاتی ہیں)

چوتھا سین

زمیندار علی حسین کا گھر۔ پہلے سین کا کمرہ۔ بیگم فرش پر اوندھی پڑی ہیں۔ اور زور زور سے ورد کر رہی ہیں۔ علی حسین زمیندار بھونچکا سا کھڑا ہے پاس ہی ایک حواس باختہ نوکر کھڑا ہے۔

بیگم ۔ جل تو جلال تو۔ صاحب کمال تو۔ آئی بلا کو ٹال تو۔

سکینہ ۔ (چیل کی طرح جھپٹ کر آتی ہے) آپ لیٹ جائیے۔ یہ آپ کھڑے کیوں ہیں؟ ہاں ایسے ہی جیسے اماں لیٹی ہیں (نواب صاحب کو لٹا دیتی ہے) ارے دیکھو کریم کھڑکیاں کھول دو۔ دروازے کھول دو (کریم سارے کمرے میں سکینہ کے احکامات سن سن کر دوڑ رہا ہے) دیکھو بالٹیوں میں پانی بھرا ہے یا نہیں۔ بالو کے بورے وہیں رہنے دینا۔ تم بھی اسی طرح لیٹ جاؤ۔ کانوں میں انگلیاں دے لو۔ نہیں تو کان پھٹ جائینگے (کریم چلا جاتا ہے سکینہ فرش پر لیٹ جاتی ہے۔ پھر جلدی سے اٹھتی ہے اور ٹیلیفون کی طرف جاتی ہے) ہلو۔ ہلو۔ ہلو۔ اقبال۔ ہلو۔ اقبال۔ اقبال۔ ہلو۔ (ٹیلیفون رکھ دیتی ہے) ٹیلیفون کام نہیں کرتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تار ٹوٹ

گئے ہیں۔ اب کیا ہوگا؟ (علی حسین اٹھنے لگتا ہے) ارے اٹھئے مت۔ یونہی
لیٹے رہیئے۔ (علی حسین کو لٹا کر خود بھی لیٹ جاتی ہے)

بیگم۔ بیٹی دعا پڑھو۔ جل تو۔ جلال تو۔ صاحب کمال تو۔ آئی بلا کو ٹال تو۔
(علی حسین سے) تم بھی دعا پڑھو۔ تم بھی۔ جل تو جلال تو ....

سکینہ۔ اس دعا سے کیا ہوگا اماں؟ بم گرنے تو بند نہیں ہو جائیں گے؟

بیگم۔ آئی کفر بک رہی ہے۔ ایسا بم گرے گا کہ مر کے رہ جائے گی۔
دعا پڑھو۔ جل تو جلال تو ....

علی حسین۔ (بیگم کے ساتھ دعا پڑھتا ہے) جل تو۔ جلال تو ....

بیگم۔ ان جہازوں کی کوئی روک نہیں ہے۔ جل تو جلال تو ....
(ایک زور کا دھماکا ہوتا ہے جیسے کہیں قریب ہی بم گرا ہو۔ دروازے کھڑکھڑانے
لگتے ہیں۔ بیگم اچھل پڑتی ہے) ہائے غضب۔ جیسے یہیں کہیں بم گرا ہے۔
جل تو جلال تو .... (سب یونہی لیتے رہتے ہیں علی حسین
اور بیگم صاحبہ کا ورد جاری ہے۔ وہ دونوں زور زور سے چیخ رہے ہیں۔ بموں کا
دھماکا اور جہازوں کی گڑگڑاہٹ آہستہ آہستہ ڈوب جاتی ہے تھوڑی دیر سناٹا رہتا
ہے جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ سب سے پہلے بیگم اپنا ساری کا آنچل سنبھالتے
ہوئے زمین سے اٹھتی ہیں) اللہ نے بڑی خیر کی۔ میرے تو ہوش اڑ گئے
کہیں خدا نہ کرے ایک بھی بم گرتا تو ....

علی حسین (اٹھتے ہوئے) امجد کہاں ہے؟ (اپنے ہاتھ پاؤں ٹٹولتا ہے)

سکینہ - صبح اقبال کے پاس گئے تھے - ابھی تک نہیں لوٹے - میں اقبال کو ٹیلیفون کر رہی تھی مگر وہ تو کام ہی نہیں کرتا -

بیگم - ارے اللہ اب میں کیا کروں کسی کو اقبال کے گھر بھیجو - اس لڑکے نے تو میری جان آفت میں کر رکھی ہے - سکینہ بیٹی کھڑی کیوں ہو؟ ذرا کسی نوکر کو بھیجو - (سکینہ جاتی ہے)

علی حسین - (ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے) اب چپ گاؤں میں رہنا ٹھیک نہیں یہاں بڑا خطرہ ہے - کہیں چلا جانا چاہیئے -

بیگم - (دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے) مگر یہ گھر بار کس پر چھوڑ جائیں؟ نوکروں کے بھروسہ پر تو میں گھر نہیں چھوڑ سکتی -

علی حسین - گھر خالی کر دو - سب سامان لیچلو - مجھے ہر وقت حرارت رہتی ہے آب و ہوا بدل جانے سے طبیعت سنبھل جائے گی (کھانستا ہے) آج میرے پیروں میں بڑی تکلیف ہے - سکینہ کہاں ہے؟ پیر تھرمامیٹر لگا دو -

بیگم - (جھنجلا کے) اونہہ - تمہیں تو وہم ہو گیا ہے - ہر وقت حرارت (علی حسین بے بسی سے اسکی طرف دیکھتا ہے) میں کہہ رہی ہوں . . .

(علی حسین بڑی زور زور سے کھانستا ہے - بیگم اسکی پیٹھ سہلانے لگتی ہیں - جب کھانسی رک جاتی ہے تو کہتی ہیں) سب سامان کیسے جائے گا؟ اتنا اتنا -

پوری ایک مال گاڑی چاہیئے۔

علی حسین۔ کچھ ضرورت کی چیزیں لے لو۔ باقی کو تالا لگا دو۔ نوکر تو یہاں رہیں گے۔ (کھانستا ہے۔ اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیتا ہے پھر اپنی نبض دیکھنے لگتا ہے)

بیگم۔ سب سامان غارت ہوجائے گا۔ آجکل لوٹ مار بھی تو شروع ہوگئی ہے یہی نوکر سب اٹھا لیجائیں گے اور کہدیں گے کہ چوری ہو گئی۔

علی حسین۔ جان سے زیادہ تو یہ سامان نہیں ہے۔ جان ہے تو جہان ہے۔

بیگم۔ مگر جائیں کہاں؟ سنا ہے کلکتہ میں بھی خطرہ ہے۔

علی حسین۔ گاؤں چلکر رہیں۔ وہاں میں بہت دنوں سے گیا بھی نہیں ہوں میرے جانے سے کسان ٹھیک ہو جائیں گے۔ امجد کو بھی کچھ گاؤں کی ہوا لگ جائے گی۔ وہ تو ادھر کا رخ ہی نہیں کرتا۔ تم بھی تو اسے نہیں سمجھاتی ہو۔ ہمیشہ اسکی حمایت کرتی ہو۔

بیگم۔ میں کیوں نہ حمایت کروں گی۔ میں اسے کبھی گاؤں نہ جانے دونگی۔ گاؤں کا تو نام نہ لو۔ آجکل زمانہ بڑا خراب ہے۔ کسانوں نے سر سے زمین کھود رکھی ہے۔ اب تو انھیں چھوٹے بڑے اپنے پرائے کسی کا خیال نہیں۔ میں تو وہاں کبھی بھی نہ جاؤں۔ دن دہاڑے لوٹ لینگے

علی حسین۔ تمہیں تو ہول ہو گیا ہے۔ مالک کے بغیر گھوڑا بھی بچکتا ہے۔ یہ سب اس حرامزادے مختار کا کیا دھرا ہے۔ اس سے انتظام نہیں ہوتا۔

جب میں گاؤں پہ جایا کرتا تھا تو رعایا کتنی خوش رہتی تھی کبھی کبھی کسی نے سر نہیں اٹھایا۔ (کھانستا ہے) ایک ایک پائی بیباق ہو جاتی تھی اور کبھی ضرورت پڑی تو وقت سے پہلے بھی روپیہ وصول ہو جایا کرتا تھا عید بقر عید پہ نذرانے دیتے تھے۔ ہر تہوار پہ سلام کرنے آتے تھے میں چلکر سب ٹھیک کر لوں گا۔

بیگم۔ یہ تمہارا خیال ہے گاؤں کے نام ہی سے میرے تو ہوش اڑ جاتے ہیں۔ میں مر جاؤں گی مگر وہاں نہ جاؤں گی۔ یہ گاؤں بک جائے تو پاپ کٹ جاتا۔

علی حسین۔ تمہیں تو بس ایک رٹ لگی ہے کہ گاؤں بک جائیں۔ گاؤں تو آج بک سکتے ہیں۔ مگر پھر ہمارے پاس کیا رہے گا؟

بیگم۔ گاؤں کا کیا ٹھکانا رہیں یا نہ رہیں۔

علی حسین۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟

بیگم۔ یہی کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ چاروں طرف آگ لگ رہی ہے کیا خبر ہے گاؤں رہ بھی جائیں گے یا نہیں لیکن روپیہ پیسہ تو چھپا کر بھی رکھا جا سکتا ہے

علی حسین۔ (غصے میں) گاؤں کہیں زمین سے اڑ کر آسمان پہ چلے جائیں گے؟ گاؤں نہ رہ جانے کے کیا معنی؟ چاروں طرف بد انتظامی کا ہنگامہ ہے۔ غدر میں بھی کسان باغی ہو گئے تھے جب تک وہ اڑے رہے تب تک اودھم رہا انھوں نے جا کے سب کو ٹھیک کر لیا تھا کیطرح کسان دم ہلانے لگے۔

بیگم۔ اب زمانہ بدل گیا ہے اب تو سبھی نمک حرام ہو گئے ہیں۔

علی حسین۔ ہاں ہاں زمانہ بھی بدل گیا ہے اور میں بھی بیمار رہتا ہوں۔

(سکینہ گھبرائی ہوئی آتی ہے اسکے پیچھے پیچھے کریم نوکر ہے)

سکینہ۔ اماں غضب ہو گیا جاپانی فوجیں اراکان تک آ گئی ہیں۔ بس کل پرسوں تک یہاں پہنچ جائینگی۔ سنا ہے لوگ بھی ان کے ساتھ آ رہے ہیں۔

بیگم۔ اب کیا کریں؟

علی حسین۔ یہ لوگ کون ہیں؟

سکینہ۔ وحشی ہیں۔ آدم خور۔ اراکان کی پہاڑی پر رہتے ہیں آدمیوں کو بھون بھون کر کھا جاتے ہیں۔ جاپانی فوجوں کے ساتھ وہ بھی آ رہے ہیں۔

نوکر۔ اور سرکار چار ہزار کسانوں نے لاٹھیاں اور بلّم لیکر شہر پر دھاوا کر دیا ہے۔ سارے شہر میں چرچا ہے۔

سکینہ۔ اماں۔ جھٹ گاؤں سے چلو۔

علی حسین۔ یہ سب میرے گاؤں کے کسان ہوں گے جو تیر کمان بنا رہے تھے۔ میں تو کہتا تھا یہ حملہ کر دینگے۔ (نوکر سے) ان کے پاس تیر اور کمان بھی ہیں؟ (کھانستا ہے)

نوکر۔ معلوم نہیں سرکار۔ میں نے اپنی آنکھ سے تو دیکھا نہیں ہے۔ شہر میں خبر ہے۔ سرکار اب سارے شہر میں لوٹ مار ہوگی۔ دوکانیں بند۔

ہو گئی ہیں۔

بیگم ۔ یا الٰہی اب تو ہی ہم سب کا رکھوالا ہے۔

علی حسین ۔ بیٹی ذرا ٹیلیفون کر کے پوچھو پولیس کے دفتر سے معلوم ہو جائیگا۔

سکینہ ۔ ٹیلیفون تو کام ہی نہیں کرتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تار ٹوٹ گئے ہیں۔

بیگم ۔ کوئی بم گر پڑا ہوگا۔ جانے ریلیں بھی چلتی ہیں یا نہیں۔

سکینہ ۔ اماں چلو یہاں سے اس شہر میں رہنا ٹھیک نہیں۔

بیگم ۔ کہاں جائیں بیٹی ہر جگہ خطرہ ہے۔

علی حسین ۔ کہیں تو چلیں ہی گے۔ بیٹی میری نبض دیکھنا پھر حرارت ہو گئی ہے۔ تھرما میٹر لے آؤ (کھانستا ہے)

سکینہ ۔ (باپ کی نبض دیکھتے ہوئے) آپ تھکے ہوئے ہیں۔

بیگم ۔ امجد کے لئے کسی کو بھیجا بیٹی؟ (نوکر سے) یہاں کھڑا ہوا منہ کیا دیکھ رہا ہے؟ جاتا کیوں نہیں؟ (نوکر چلا جاتا ہے)

سکینہ ۔ (باپ سے) تھوڑا سا آرام کر لیجئے۔ اس بیماری کا اثر ہے

بیگم ۔ اب تم جا کے بستر پر لیٹو۔ آج دوپہر کو بھی نہیں سوئے۔ اسی لئے طبیعت سست ہو رہی ہے۔

علی حسین ۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ان گاؤں کا کیا حشر ہوگا۔ ادھر شہر پر حملہ ہو گیا ہے۔ ادھر کسان سرکش ہو رہے ہیں (کھانستا ہے)

میری سمجھ میں نہیں آتا۔ سو چو زمینداریاں نہ ہوں تو کیا ہو۔ یہ شہر، ریلیں، سڑکیں کچھ نہ ہو۔ یہ سب کاروبار زمینداریوں ہی سے چل رہا ہے۔ ہم کسانوں سے روپیہ جمع کرتے ہیں۔ تب ہی تو حکومت چلتی ہے۔ (کھانستا ہے)

(اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بیگم سہارا دیکر لیجانے لگتی ہیں۔ اقبال، امجد، اور امیو داخل ہوتے ہیں)

امجد۔ (دروازے ہی سے) خیریت تو ہے یہاں سب؟

(بیگم دوڑ کر امجد کو گلے لگا لیتی ہیں۔ اقبال سکینہ کے پاس آ کھڑا ہوتا ہے اور امیو علی حسین کے پاس)

بیگم۔ مجھے کیسے ہول اٹھ رہے تھے۔ تمہیں دیکھ کے کلیجہ ٹھنڈا ہوا ہے اب گھر سے مت جانا بیٹا۔ بڑا خراب زمانہ ہے۔ آنکھوں اوجھل پہاڑ اوجھل نظروں کے سامنے رہو گے تو اطمینان رہے گا

امجد۔ ہم بھی وہاں پریشان ہو رہے تھے۔ مگر اس بمباری میں نکل بھی تو نہیں سکتے تھے۔

(امیو ایک تصویر کی طرف دیکھنے لگتا ہے)

اقبال۔ (سکینہ سے) گھبرائیں تو نہیں۔
سکینہ۔ گھبرانے سے کیا ہوتا۔ بمباری کے وقت تم سب کہاں تھے۔

اقبال۔ گھر ہی پر تھے۔ پکنک کی تیاری کر رہے تھے سوچا تھا کہ راستہ سے تمہیں ساتھ لے لیں گے۔

سکینہ۔ (امیو کی طرف اشارہ کرکے) مگر میں تو اس منحوس کے ساتھ کبھی نہ جاؤں گی

اقبال۔ امیو یہیں کھڑا ہے سکینہ

سکینہ۔ کھڑا رہنے دو (امیو سکینہ کی طرف دیکھتا ہے)

بیگم۔ (علی حسین سے) تم چلو آرام کرو یہ سب خیریت سے گھر آ گئے۔ اب مجھے اطمینان ہوا۔

علی حسین۔ آؤ بیٹی میرے تھرما میٹر لگا دو۔

(سکینہ بیگم اور علی حسین چلے جاتے ہیں)

امجد۔ کیسی ڈراؤنی چیز ہے بیماری۔ بڑی بھیانک آواز تھی۔

امیو۔ ہندوستان کو اس تجربہ کی ضرورت تھی۔ برسوں سے ہم لوگوں نے خون نہیں دیکھا۔ ذرا جھجک نکل جائے گی۔

(شفو گھبرایا ہوا آتا ہے)

شفو۔ (دروازے ہی سے) امیو تم یہاں کیا کر رہے ہو۔

امیو۔ آخر اسقدر گھبرائے کیوں ہو؟ (ایک صوفے پر بیٹھ جاتا ہے)

شفو۔ (اقبال اور امجد کی طرف دیکھ کر) کہاں کہاں تمہاری تلاش میں مارا مارا پھرا ہوں۔

اسیو۔ دیکھو سمجھو سر) میں ابھی آتا ہوں۔ امجد سنتوش سے کچھ ضروری باتیں کرنی

ہیں (اٹھنے لگتا ہے)

اشیہ۔ تم یہیں بیٹھ کر باتیں کرو۔ ہم ذرا اماں کے پاس جاتے ہیں۔ وہ کافی

گھبرائی ہوئی ہیں۔ آؤ اقبال۔ (دونوں چلے جاتے ہیں)

اسیو۔ اتنی بوکھلاہٹ بھی کس کام کی۔ تم تو بڑے ہی بودے آدمی نکلے

سنتوش۔ بنا بنایا کھیل بگڑا جارہا ہے۔ وقت سے پہلے بمباری ہوگئی سارا

شہر جاپان دشمن باتیں کر رہا ہے۔ دیہات سے چار ہزار کسان

آگئے ہیں۔ ضلع کے حاکم بھاگ رہے ہیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ریل

بند کرادی ہے تاکہ لوگ بھاگ کر باہر نہ جانے پائیں۔ شہر میں

دھڑا دھڑ کمیٹیاں بن رہی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے سارے شہر پہ

کمیونسٹوں کا قبضہ ہوگیا ہے۔

اسیو۔ تم پہ تو کمیونسٹوں کا بھوت سوار ہے۔

سنتوش۔ مجھ پہ کیا سارے شہر پہ یہی بھوت سوار ہے۔ ہر جگہ وہ ہورہا ہے

جو کمیونسٹ کہتے ہیں۔ انھیں کا راج ہے۔ پولیس کپتان نے

کوشش کی کہ کمیٹیاں بننا بند ہو جائیں مگر ہر ہر محلے میں ایک ایک

کمیٹی بن گئی ہے۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔

اسیو۔ کمیونسٹوں کی کیا ہے۔ وہ تو ہمیشہ دھارے کے ساتھ بہتے ہیں۔

اصل بات یہ نہیں ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہی ہو رہا ہے۔
بلکہ جو کچھ ہو رہا ہے وہی وہ کہنے لگتے ہیں۔

شنوش۔ معلوم نہیں!

امیو۔ اچھا یہ بتاؤ رفیق کس حال میں ہے۔

شنوش۔ اس کا تو کہیں پتہ نہیں۔ لیکن ہر میٹنگ اور ہر جلسے میں کامریڈ رفیق زندہ باد کے نعرے لگ رہے ہیں اور جیل میں جو ہمارے ساتھی ہیں آننت سنگھ اور گنیش گھوش وغیرہ سنا ہے انھوں نے وہاں سے کوئی بیان بھیجا ہے جس میں جاپان اور جرمنی کی برائی کی ہے کیا وہ بھی کمیونسٹ ہو گئے ہیں؟

امیو۔ تمہیں ابھی تک بسنت کی خبر ہی نہیں۔ مدت ہوئی انھوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب وہ دہشت پسند نہیں ہیں

شنوش۔ مگر ہم تو دہشت پسندوں کا ساتھ پہلے چھوڑ چکے ہیں جب ہم نے انکے خلاف گواہی دی تھی۔

امیو۔ یہ فضول باتوں کا وقت نہیں ہے۔ ہمیں اس وقت سے ہوشیاری سے کام کرنا ہے۔ اس موقع سے اگر ہم فائدہ نہ اٹھا سکے تو سمجھ لو موت آ گئی۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ ہمیں کیا کیا کرنا ہے۔

شنوش۔ اس رفیق کو گولی کیوں نہ مار دی جائے۔ یہ میں کروں گا۔

اسیرو۔ بکواس مت کرو۔ ڈھاکے میں ایک کمیونسٹ کو مارا تھا تو کیا فائدہ ہوا۔ انھوں نے اس کا نام لے لیکے اور پروپیگنڈہ کیا۔ کمیونسٹ تو ہوتے ہی ایسے ہیں۔ اپنے ساتھی کی لاش کو بندریا کے بچے کی طرح لیے پھرتے ہیں۔ رفیق کے مرنے سے کمیونسٹوں کو نقصان نہیں فائدہ ہوگا۔

منشوش۔ پھر کچھ نہیں ہو سکتا۔ شہر ہمارے قابو سے باہر ہے۔

اسیرو۔ تم تو ہمیشہ گھبرا جاتے ہو۔ اب سنو۔ اس وقت شہر میں ہلڑ ہے کمیونسٹ کوشش کر رہے ہیں کہ شہریوں کو منظم کر کے جاپان دشمن جاسوس نکالیں۔

(سکینہ اندر آتی ہے اور الٹے پاؤں لوٹ جاتی ہے)

بس ہمارا کام یہ ہے کہ انھیں کامیاب نہ ہونے دیں۔ پھر بازی ہار لی ہے لیکن جاپان کا پروپیگنڈہ کر کے تم انھیں کمیونسٹوں کے ہاتھوں میں جانے سے نہیں روک سکتے۔ اس وقت صرف ایک چیز کمیونسٹوں کو ختم کر سکتی ہے۔ فساد۔ لوٹ مار بس اور کچھ نہیں۔ ہندو مسلم فساد کرا دو۔ یا کسی قسم کا فساد ان سے دکانیں لٹوا دو۔ دو چار سو آدمی مر جائیں۔ کچھ پروا نہیں۔ پولیس فائرنگ کر دے تو اور بھی اچھا ہے۔ جاؤ جلدی کرو۔ اپنے ساتھیوں کو فوراً ادھر ادھر روانہ کر دو۔

منشوش۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ تم بھی جاؤ۔

امجد - (اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے) اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں

بازی ہمارے ہی ہاتھ رہے گی۔

منوش - مگر تم نہیں چاہتے۔ تم یہاں کیوں چھپ کر بیٹھے ہو۔

امجد - (چونک کر) میں چھپ کر نہیں بیٹھا ہوں۔ میرا یہاں رہنا ضروری

ہے۔ علی حسین کے گاؤں کے کسانوں پر کمیونسٹوں کا بڑا اثر ہے۔ رفیق

کا پتا تو یہاں سے قریب قریب کٹ چکا ہے۔ سکینہ اسے اپنا گرو

سمجھتی ہے (آواز دھیمی کر کے) معلوم ہے رات ہمارے جانے کے بعد کیا ہوا

سکینہ اور اقبال خوب لڑے۔ میں علی حسین کو تیار کر رہا ہوں کہ کسانوں

میں ایکا نہ ہونے پائے۔ ان کے ذریعے دیہات میں پولیس بھیجی

جاسکتی ہے۔ جاؤ۔ تم وقت مت خراب کرو۔ جاؤ۔

منوش - میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ ہر بات الٹی پڑ رہی ہے۔

امجد - تمہاری سمجھ ہی میں آجاتا تو پھر کونسی مشکل رہ جاتی۔

منوش - ہم نے خبر پھیلائی سوگ آرہے ہیں۔ انکے بدلے کسان لاٹھیاں

اور بلم لیکر آگئے۔ . . . .

امجد - اچھا اب اپنی بکواس بند کرو۔ اور جاؤ۔ نہیں تو کام بگڑ جائے گا۔ جلدی

(منوش جاتا ہے سکینہ اندر آتی ہے دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے نکل جاتے ہیں)

سکینہ - (جیسے کچھ جانتی ہی نہیں) اقبال اور امجد کہاں گئے ؟

امیو ۔ ادھر ہی تو گئے ہیں۔

سکینہ ۔ (شرارت سے) اور تمہیں اکیلا چھوڑ گئے۔

امیو ۔ نہیں ۔ میں خود ہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ذرا تھک گیا ہوں (صوفے پر دوھا

لیٹ کر پیر پھیلا دیتا ہے ۔ سیٹی بجاتا ہے)۔

(سکینہ ایکطرف بیٹھ کر ایک رسالے کے ورق الٹنے لگتی ہے ۔ امیو سکینہ کیطرف

ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہے ۔ پھر اٹھ کر اسکے پاس آتا ہے)

دیکھو سکینہ ۔ تم رات کو ناحق خفا ہو گئیں ۔ تم نہیں کہ میں نے اقبال

کو پھر اکھا ۔ یقین مانو میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سکینہ ۔ (بغیر گردن اٹھائے ہوئے) میرا دماغ مت چاٹو ۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔

امیو ۔ پھر مجھ سے اسقدر ناراض کیوں ہو ۔

سکینہ ۔ میں نہیں جانتی ۔

(امیو ٹہل کر دو سکینہ سے دور جا کھڑا ہوتا ہے سکینہ گردن اٹھا کر اسکی

طرف دیکھتی ہے)

امیو ۔ لڑکیاں تو خوشامد سے من جاتی ہیں ۔

سکینہ ۔ ہاں اگر اس خوشامد کے ساتھ مکاری نہ شامل ہو ۔

امیو ۔ تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں مکار ہوں ۔

سکینہ ۔ میرا مطلب وطلب کچھ نہیں میں نے تو ایک بات کہی ہے ۔

امیو۔ تم بات کرتی ہو یا ڈنک مارتی ہو۔

سکینہ۔ زہر تو نہیں اگلتی ہوں۔

امیو۔ زہر اگلنے کیلئے سینے میں آگ چاہیئے۔

سکینہ۔ سانپ کا ساپن چاہیئے۔

امیو۔ آئینے میں صورت دیکھ لو۔

سکینہ۔ (تلملا کر کھڑی ہو جاتی ہے) امیو تم مجھ سے یہ باتیں اس لئے کرتی ہو کہ امجد اور اقبال تمہیں یہاں بلا بلا کر بٹھاتے ہیں۔ ورنہ تمہاری مجال تھی جو اس طرح بد تمیزی کرتے۔

امیو۔ میں نے تو کوئی بد تمیزی نہیں کی۔ تمہیں مجھے سب کچھ کہہ رہی ہو۔

سکینہ۔ تمہارے کرتوت تو ایسے ہیں۔ . . . . . میرا بس نہیں چلتا

(آنسو پی جاتی ہے پھر بیٹھ کر رسالے کے ورق الٹنے لگتی ہے)

(امیو بھی صوفے پہ بیٹھ کر ٹانگ پھیلا دیتا امجد اور اقبال آتے ہیں)

امجد۔ کیوں کیا منتوش چلا گیا؟

امیو۔ اسے کام تھا۔

سکینہ۔ (رسالہ بند کرکے) شہر کا کیا حال ہے؟ کچھ خیریت ہے؟

امجد۔ بڑی کھلبلی مچی ہوئی ہے ہر شخص گھبرایا ہوا ہے راستے میں ہم نے دو مکان جلتے ہوئے دیکھے۔ بالکل ٹی کے ڈھیر کافی نقصان ہوا ہے

اقبال۔ اور کچھ لوگ مرے بھی ہیں۔

سکینہ۔ کتنے جہاز ہوں گے۔ میرا تو جی چاہ رہا تھا کہ باہر نکل کر انھیں دیکھوں

پھر اماں اور ابا کے خیال سے نہیں نکلی۔

امجد۔ خیر نہیں۔ تین چار تو ہوں گے۔

اسیو۔ تین چار نہیں۔ بیس پچیس تھے۔

اقبال۔ جتنے بھی ہوں مگر اچھا اور بھاری ہو گی۔

سکینہ۔ تمہیں کیوں فکر ہے تم تو بے فکری کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو۔

اقبال۔ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔

سکینہ۔ کر کیوں نہیں سکتے۔

امجد۔ اسیو تو کہتے تھے کہ جاپانی ہندوستان پر حملہ نہیں کریں گے۔

سکینہ۔ اب دیکھ لیا؟

اسیو۔ (بہٹ دھرمی سے) یہ حملہ ہے؟ چار بم گرانے کو حملہ کہتے ہیں۔ پھر

گیہوں کے ساتھ گھن تو پستا ہی ہے۔

اقبال۔ اب ابھی بحث شروع ہو گئی۔ آؤ امجد ہم تم تو تاش کھیلیں۔

امجد۔ یہ ٹھیک ہے (دونوں ایک میز کے پاس کرسیاں بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں)

اسیو۔ انگریزوں نے یہاں ہوائی اڈے بنا رکھے ہیں یہ حملہ تو ہوائی اڈوں

پر تھا۔ بالکل صحیح نشانہ تو نہیں ہو سکتا۔ ایک آدھ بم ادھر ادھر بھی گرا۔

امجد۔ (تاش پھینٹتے ہوئے) تم ایک تو وہم کرتے ہو۔ دیکھو تو سارا شہر تباہ ہو گیا۔

(امجد تاش کے پتے بانٹتا ہے)

سکینہ۔ جاپانی فوجیں ہی کیا ہی ہیں۔ وہ ہمارے ملک میں کیوں آ رہی ہیں۔

امیو۔ جاپانی تو ایشیا کو غلامی کے پنجے سے چھڑانے کیلئے آ رہے ہیں۔

سکینہ۔ اچھا اور یہ چین، ملایا اور برما ہیں . . . .

امیو۔ (جلدی سے) تم نے دیکھا ہے؟ یہ سب غلط پروپگنڈہ ہے جاپانیوں نے تو اب

آزاد ہندوستان سے لیگ بنا دی ہے۔

سکینہ۔ اپنے پٹھوؤں کی۔

امیو۔ اور نہیں تو کیا انگریزوں کے پٹھوؤں کی۔

سکینہ۔ جب آپکا آزاد ہند ریڈیو ہے تم سب جھوٹ بولتے شرم نہیں آتی ہے

امیو۔ تمہیں شرم آنی چاہئے کہ دوسرے تمہاری آزادی کیلئے لڑیں اور تمہیں

برا بھلا کہو۔

سکینہ۔ دوسروں کے بدلے یہ آزادی نہیں ملتی۔ پہلے آئے ہماری آزادی

کیلئے لڑنے والے۔ شرم تم کرو کہ تم دہشت پسندوں کے ساتھ غداری کی۔

آج ہندوستان کے ساتھ غداری کر کے جاپانی ایجنٹ بن گئے ہو۔

امیو۔ میں تو جاپانی ایجنٹ ہوں کیونکہ جاپان ہندوستان کو آزاد کرائے گا

سکینہ۔ پہلے وہ چین سے لڑائی بند کرے۔ پھر ہندوستان کی آزادی کا نام لے۔

امجد۔ یہ سراسر بے ایمانی ہے۔

اقبال۔ بے ایمانی کیسی۔ یہ لو اینٹ کا بادشاہ (میز پر زور سے ایک پتہ پٹکتا ہے)

امیو۔ چین ہتھیار نہیں ڈالتا۔ انگریزوں کے کہنے پر آ کر جاپانیوں کا مقابلہ کر رہا ہے اور ایشیا کی آزادی میں روڑے اٹکا رہا ہے۔ جاپانی تو صاف صاف کہتے ہیں کہ ہماری فوجوں کو اپنے ملک میں آ جانے دو پھر ہم کسی کو نہیں ماریں گے۔

سکینہ۔ یہ اچھی کہی انکی فوجوں کو کیوں اپنے ملک میں آ جانے دیں ہمارے شہر پر بم برساؤ۔ ہمارے آدمیوں کی جان لو۔ طرح طرح کے ظلم کرو۔ پھر کہو کہ ہماری فوجوں کو اپنے ملک میں آ جانے دو۔

امیو۔ ہندوستان کی آزادی کیلئے اتنی قربانیاں تو دینی ہی پڑیں۔

سکینہ۔ تم چین کی بات کرتے کرتے ہندوستان پر آ گئے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ چین میں کیوں جاپانی فوجوں کو آنے دیا جائے۔

امجد۔ دوست تم میدان چھوڑ رہے ہو۔

اقبال۔ یا تاش کھیلو یا بحث کر لو۔ پتا چلو۔

امجد۔ میں تو تم سے کہہ رہا تھا یہ دیکھو اکا ہے (زور سے ایک پتہ میز پر پٹکتا ہے)

امیو۔ بات تو ہندوستان ہی کی ہو رہی تھی۔ دو چار آدمی بمباری میں مر گئے تو کیا ہوا۔ بغیر خون بہائے تو آزادی نہیں ملتی

سکینہ۔ بے قصور انسانوں کا خون۔ شہر کی نہتی آبادی کا خون (ہندوستان کے غریب انسانوں کا خون) پھر جاپانیوں کے ہاتھوں اسے آزادی کیسے ملیگی یہ تو سراسر ظلم ہے یوں کہو کہ تم سب خون کے پیاسے ہو۔ اس کا لال لال رنگ بہت اچھا لگتا ہے۔ درندے ہو تم آدمی نہیں ہو۔

امیو۔ اگر ہندوستانی اس لڑائی میں حصہ نہ لیں اور انگریزوں کا تختہ الٹ دیں تو جاپان ہندوستان پر حملہ نہیں کرے گا۔

سکینہ۔ یہ جھوٹ ہے بالکل جھوٹ۔ جاپانی پروپیگنڈہ۔ اسطرح وہ ہمیں دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

امیو۔ سب الٹی باتیں ہیں اگر یہ درست ہو تو تمہارے گلے کوئی بات نہیں اترواسکتا۔ اور کیا بات تو یہ ہے کہ انگریزوں اور جاپانیوں کی لڑائی ہے ہم سے کیا مطلب۔

سکینہ۔ ابھی تو تم چیخ چیخ کے بحث کر رہے تھے اب کہتے ہو ہم سے کیا مطلب۔ نہیں مطلب ہے تو گھر جاکے بیٹھو۔ سارے شہر کو کیوں سر پہ اٹھا رکھا ہے۔ پاگل کتوں کی طرح تم ادھر سے ادھر پھرتے ہو۔

امیو۔ سکینہ تمہیں اتنے سخت لفظ تو نہیں استعمال کرنے چاہئیں۔

سکینہ۔ تم تو چکنے گھڑے ہو تم پر کچھ اثر ہوتا ہے؟ تمہارے لئے تو ان سے بھی زیادہ سخت لفظوں کی ضرورت ہے۔ تم غدار ہو۔ تمہیں ہندوستان میں رہنے کی جگہ نہیں ملنی چاہئیے۔ تم اپنے کو دہشت پسند کہتے ہو لیکن اصل میں تم جاپانی ایجنٹ ہو۔ دہشت پسندوں کا نام کیوں بدنام کرتے ہو۔ سکھدیو، راج گرو، بھگت سنگھ کوئی بھی ایسی حرکتیں کرتا تھا جو تم کرتے ہو؟ جب تم انکا نام لیتے ہو تو روح کانپ جاتی ہے۔ ہمارے قومی شہیدوں کا نام اسلئے نہیں ہے کہ تم جیسے وطن فروش ان کی آڑ لیکر ان کے خون اور وطن کی تجارت کریں۔

اقبال۔ بھئی اب ختم کرو۔ اس بحث کو۔ سکینہ کو جھک جھک کرنیکا مرض ہے۔

امجد۔ پیا چلو۔

اسو۔ اب تم ذاتی حملہ کرنے لگیں۔ اگر مجھے جاپان سے ہمدردی ہے تو یہ وطن فروشی اور غداری کیسے ہوگی؟

سکینہ۔ اور کیا ہے۔

اسو۔ بڑی سیدھی سی بات ہے۔ ہمارے دشمن کا دوست ہمارا دشمن۔ اور دشمن کا دشمن ہمارا دوست۔

سکینہ۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ چین اور سوویت یونین تمہارے دشمن ہیں اور جاپان جرمنی اٹلی تمہارے دوست ہیں۔ یہاں بیٹھ کے باتیں بناتے ہو مزدوروں اور کسانوں میں جا کر کہو تو۔ . . . . . .

اسو۔ مزدوروں اور کسانوں سے کیا کہنا ہے۔ انکی کچھ سمجھ میں آتا ہے؟ وہ تو جاہل ہیں۔ جدھر ہانک دو چلے جاتے ہیں۔

سکینہ۔ یہی تو کہہ رہی ہوں ان جاہلوں سے جا کر بات کرو تو پتہ چلے کہ تمہاری مرمت کریں

اسو۔ کیا تم مرمت کر رہی ہو؟ — (اکتا کر) اچھا ختم کرو اس جھگڑے کو۔ اس وقت سائی گاؤں براڈکاسٹ کر رہا ہوگا۔ ذرا سننا چاہئیے۔ کوئی مزیدار بات ہوگی۔

اقبال۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ تم دونوں کے شور سے تو کان کے پردے پھٹ گئے۔

سکینہ۔ میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔

اقبال۔ یقین نہ کرنیکا تمہیں حق ہے۔ لیکن سننے میں کیا حرج ہے؟

اسو۔ یہی سن لو کہ جاپانی کتنا جھوٹ بولتے ہیں (ریڈیو کی طرف جاتا ہے)

سکینہ۔ میں نہیں سننا چاہتی آپ سنئیے (اٹھ کر چلی جاتی ہے)

امجد۔ (اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے) ہمارے تین ردیف اور ہو گئے۔

اقبال - کل پورے گیارہ روپئے ہوئے ؟ آجکل بہت ہار رہا ہوں -

(اقبال اور امجد امیبو کے پاس آتے ہیں جو ریڈیو کی سوئی گھما رہا ہے)

امیبو - سکینہ بگڑ گئی -

اقبال - وہ جتنی جلدی بگڑتی ہے - اتنی ہی جلدی من بھی جاتی ہے - یہ سارنگاؤں ریڈیو ہے -

ریڈیو - آج ہمارے بمباروں نے چٹ گاؤں کے ہوائی اڈوں پر حملہ کیا - اور فوجی ٹھکانوں پر بم برسائے - ہمارے ہوابازوں کے نشانے اتنے اچھے تھے کہ ٹھیک ہوائی اڈوں اور فوجی ٹھکانوں پر بم گر رہے تھے . . . .

امجد - یہ تو غلط ہے -

امیبو - ذرا خاموشی سے سن لو بھی !

ریڈیو - شہر کی آبادی بمباری کے وقت خوشی سے پاگل ہو رہی تھی - ہمارے ہوائی جہازوں کو دیکھ کر ان کے حوصلے بڑھ گئے -

امجد - یہ بھی غلط ہے -

اقبال - یہ لوگ تو سفید جھوٹ بولتے ہیں -

ریڈیو - ایشیا کا نجات دہندہ جاپان ہندوستان کی آزادی کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کرنے کو تیار ہے -

امیبو - یہ ہے جاپان کا اصلی مقصد -

اقبال۔ ایسا پروپگنڈہ تو سب ہی کرتے ہیں۔ آجکل تو پروپگنڈہ کی لڑائی ہے
امجد ۔ ہٹلر نے تو کہا ہی ہے کہ جھوٹ کو اتنی بار دہراؤ کہ سب اسے سچ سمجھنے لگیں
ریڈیو۔ یہ وہ گھڑی ہے جب ایشیا کی تمام قومیں آزاد ہو رہی ہیں۔ جاپان
کی لیڈری میں یہ قومیں دنیا کی قوموں کے مقابلے میں سربلند ہوں گی۔

(تقریر ختم)

امجد ۔ (چونک کر) جاپان کی لیڈری میں ۔
امیو ۔ اور کیا۔ جاپان ہی سب کو آزاد کرا رہا ہے ۔ اور اسی کو لیڈری کا حق
حاصل ہے ۔
ریڈیو ۔ ایک اعلان ہندوستانی بھائیوں کو معلوم ہے کہ ان کے بہت سے ہموطن
جاپان میں ہیں اسکی ہمدردیاں جاپان کے ساتھ ہیں) انھوں نے ہندوستانی بھائیوں
کے نام ایک پیام بھیجا ہے ۔ جو ابھی آپکو سنایا جائے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
امیو ۔ دیکھو کتنے ہندوستانی جاپان کے ساتھ ہیں ۔
امجد ۔ مگر کانگرس تو نہیں ہے ۔
اقبال ۔ اور نہ مسلم لیگ ۔
ریڈیو ۔ اب پیام سنئے ۔ ہندوستان کی آزادی کی گھڑی آگئی ہے ۔ ۔ ۔ ۔
جاپانی فوجوں کے استقبال کیلئے تیار رہو ۔ وہ ہندوستان کی آزادی کی
فوجیں ہیں ۔ وہ بہت جلد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سکینہ۔ (دروازے سے جھپٹ کر آتی ہے) ہمارے ملک پر حملہ کریں گی۔ بند کرو یہ آواز۔ ہمارے سر پر دھڑا دھڑ بم برس رہے ہیں اور جاپان آزادی آزادی چلا رہا ہے۔ (ریڈیو بند کردیتی ہے) آزادی جاپانی بموں کا نام نہیں۔

امیو۔ ذرا سا تو سن لینے دو۔

سکینہ۔ نہیں اب اس گھر میں کسی کا پیام نہیں سنا جاسکتا۔ جاپانی بمباری کافی پیام سنا چکی ہے۔

امیو۔ رفیق نے تمہیں بالکل بہکا دیا ہے۔

سکینہ۔ (غصے میں) دیکھو امیو یہ اچھی بات نہیں ہے۔ تم جو کھیل کھیل رہے ہو وہ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ اب رفیق کا نام مت لینا نہیں تو اچھا نہیں ہوگا۔ وہ تمہاری طرح جاپانی ایجنٹ نہیں ہے۔

اقبال۔ (سکینہ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے) اس وقت انھیں جلال آرہا ہے خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے چلے چلو۔ (سکینہ سے) آپ چائے پلوا دیجئے تو یہ سارا جھگڑا ختم ہوجائیگا۔ چائے نہیں ملے گی تو پھر پینا ہی پڑے گا۔

امجد۔ (گھڑی دیکھکر) ہاں چائے کا وقت تو ہوگیا۔

سکینہ۔ ہوگیا تو جائیے۔ چائے تیار ہے۔

امیو۔ (خوشامد سے) آپ چائے نہیں پئیں گی۔

سکینہ - جی نہیں شکریہ - آپ تو جانتے ہیں کہ میں چائے نہیں پیتی۔

(سب چلے جاتے ہیں - اقبال دروازے کے پاس سے لوٹ آتا ہے۔ سکینہ یونہی غصّہ

میں بھری کھڑی ہے)

اقبال - (سکینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) سکینہ میں رات اپنے ہوش میں نہیں تھا۔

سکینہ - (کندھے سے اس کا ہاتھ ہٹا کر) تم ہوش میں رہتے کب ہو؟

اقبال - مجھے اتنا آپے سے باہر نہیں ہونا چاہیئے تھا۔

سکینہ - امیو کے ساتھ رہو گے تو اور کیا ہو گا۔

اقبال - امیو اتنا برا تو نہیں ہے - تم اس سے نہ معلوم کیوں نفرت کرنے

لگی ہو۔ یہ تو اپنی اپنی پسند ہے - تمہیں روس پسند ہے اسے جاپان

سکینہ - اور امیو نے تمہیں بھڑکایا نہیں تھا؟

اقبال - اس میں امیو کا کیا قصور ہے - مجھے خود تمہارے پاس رفیق کا آنا جانا

اچھا نہیں لگتا - میں تم سے یہ بات نرمی سے بھی کہہ سکتا تھا لیکن رات . . .

سکینہ - میں تم سے محبت کرتی ہوں اقبال - آخر کتنی مرتبہ کہوں - یہ امیو

تمہیں بھڑکا رہا ہے۔

اقبال - مگر تم رفیق کی برائی کیوں نہیں سن سکتی ہو۔

سکینہ - تم نے پھر وہی قصّہ چھیڑ دیا - (اقبال دیکھنے لگتی ہے)

اقبال - (نرمی سے) اچھا چلو ہم سب کے ساتھ بیٹھو۔

سکینہ - مجھے تھوڑی دیر کیلئے اکیلا چھوڑ دو۔ وہاں وہ موذی ہے میں نہیں جاؤں گی۔

اقبال - یہاں اکیلی بیٹھو گے اور الجھو گی - چلو -

سکینہ - مجھے اکیلا چھوڑ دو اقبال - جاؤ تم جاسکتے ہو - (ہاتھ چھڑا کر ذرا پرے ہٹ جاتی ہے - اقبال چلا جاتا ہے) اس کا تو پیشہ ہے غداری - کمینہ اقبال کو بھڑکا رہا ہے -

(تھوڑی دیر خاموش کھڑی ہوئی کچھ سوچتی ہے پھر میز سے اپنا بٹوہ اٹھاتی ہے اور اس میں سے کچھ نوٹ نکال کر لفافے میں رکھتی ہے۔ لفافہ بند کرکے دروازے کی طرف جاتی ہے - پھر رک کر کچھ سوچتی ہے - نوکر کو آواز دیتی ہے)

کریم - کریم (جاکر ریڈیو کی سوئی گھمانے لگتی ہے - کریم نوکر اندر آتا ہے - سکینہ اس کی طرف بڑھتی ہے) دیکھو یہ لفافہ لے جاؤ - ٹھیرو - (قلم سے لفافے پر کچھ لکھتی ہے) ابھی رفیق صاحب آتے ہوں گے - پہچانتے ہو نا انھیں ؟ (نوکر گردن ہلاتا ہے) یہ لفافہ انکو دیدینا - میرا نام بتادینا اچھا ! اور کہہ دینا کہ میں باہر گئی ہوں - سمجھ گئے ؟ (نوکر جاتا ہے سکینہ ٹہل کر پھر ریڈیو کے پاس آ کھڑی ہوتی ہے - کھڑی کھڑی کچھ سوچتی ہے اور پھر ریڈیو کھول دیتی ہے)

ریڈیو - (عورت کی آواز) [illegible]

(سکینہ جھنجھلا کر ریڈیو بند کر دیتی ہے)

سکینہ۔ جاپانی خونخوار۔ انھیں آدمیوں کی جان لینے میں مزا آتا ہے۔

(ایک صوفے پر دھم سے بیٹھ جاتی ہے کہنی زانوں پر ٹیک کر ہتھیلی پر ماتھا رکھ لیتی ہے)

ایک آواز۔ (کہیں دور سے آتی ہوئی) جاپانیوں نے چینی بچوں کو جانوروں کی طرح ذبح کیا ہے۔ عورتوں کی آبرو لی ہے۔ ہرے بھرے کھیتوں میں آگ لگا دی۔ زندہ آدمیوں پر سنگینوں کی مشق کی۔ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچے نکال لئے۔ ماؤں کی گودیں خالی کر دیں۔ کیا تم جاپانیوں کو ہندوستان میں آنے دوگی؟

دوسری آواز۔ (امیو کی آواز سے ملتی جلتی) تمہیں رفیق نے بہکا دیا ہے۔

تیسری آواز۔ (اقبال کی سی) تم رفیق سے محبت کرتی ہو اور مجھ سے کھیلتی ہو۔

پہلی آواز۔ آج کسی کو آرام سے گھر بیٹھنے کا حق نہیں۔

دوسری آواز۔ (امیو کی سی) تمہیں رفیق نے بہکا دیا ہے۔

پہلی آواز۔ لاکھوں آدمی روز مرتے ہیں۔ زمین میں خون پانی کی طرح جذب ہو رہا ہے۔ جاپانی اپنے سوا کسی کو آدمی نہیں سمجھتے۔

تیسری آواز۔ (اقبال کی سی) تم رفیق سے محبت کرتی ہو اور مجھ سے کھیلتی ہو۔

پہلی آواز۔ بم تمہارے گھر پر برسیں گے۔ ممکن ہے تمہارے باپ، ممکن ہے تمہاری ماں، ممکن ہے تمہارے بھائی، ممکن ہے اقبال، ممکن ہے کہ سب ایک سا

جاپانی بموں کا شکار ہو جائیں۔ اور تم جاپانی سپاہیوں کی دست درازیوں کیلئے اکیلی رہ جاؤ۔

(سکینہ اپنے کان بند کر لیتی ہے)

دوسری آواز۔ (امیو کی سی) جاپان ہندوستان کو آزاد کرنے آرہا ہے۔

پہلی آواز۔ وہ زہر کے بم پھینکیں گے۔ جن سے بیماریاں پھیلیں گی۔ آدمی ایسے مریں گے جیسے طاعون سے چوہے مرتے ہیں۔ بدن سے کھال گھل کر گر جائے گی اور صرف گوشت کا لوتھڑا تڑپتا رہ جائیگا۔

تیسری آواز۔ اور مجھ سے کھیلتی رہے۔

پہلی آواز۔ جاپانی سپاہی چینی بچوں کے جسم میں پچکاری ڈال کر سارا خون کھینچ لیتے ہیں۔ وہ وحشی ہیں درندے۔

ایک اور آواز۔ (لوہنی سی) فیوجی پہاڑ کی لال لال چوٹیاں۔

تیسری آواز۔ (اقبال کی سی) تم رفیق سے محبت کرتی ہو اور . . . .

دوسری آواز۔ (امیو کی سی) تمہیں رفیق نے بہکا دیا ہے۔

پہلی آواز۔ سکینہ جب ساری دنیا مر رہی ہے تو تم کیسے زندہ رہ سکو گی؟

(سکینہ زور سے چیختی ہے اور اپنی کرسی پر سر رکھ کے رونے لگتی ہے ہچکیاں لینے لگتی ہے)

پردہ

(پردہ کے پیچھے سے آوازیں آتی ہیں)

(سسکیوں کی مسلسل چیخیں - پھر کئی عورتوں کے رونے کی آواز - بہت سے آدمیوں کا شور)

ہم ملک کی حفاظت کریں گے - یہ ملک ہمارا ہے - اناج ہم پیدا کرتے ہیں - کارخانوں میں سامان ہم تیار کرتے ہیں - فوجوں میں سپاہی ہم دیتے ہیں۔ (گانے کی آواز)

جاگ رے مزدور جاگ رے کسان — بچا اپنا دیس بچا سکان
آ رہا ہے لٹیرا جاپان — لٹیرا جاپان
لوٹا انھوں نے برما کوریا — لوٹا انھوں نے چین اور ملایا
اب چاہتا ہے وہ ہندستان — ہمارا ہندوستان
جاگ رے مزدور جاگ رے کسان — بچا اپنا دیس بچا سکان
آ رہا ہے لٹیرا جاپان — لٹیرا جاپان
اٹھ رے بڈھے اٹھ نوجوان — دکھا دے ساہس دکھا دے شان
ڈر جائے گا لٹیرا جاپان — لٹیرا جاپان
گھروں کو انھوں نے اکھاڑا — کھیتوں کو انھوں نے اجاڑا
اب چاہتا ہے وہ ہندستان — یہ پیارا ہندوستان
جاگ رے مزدور جاگ رے کسان — دکھا دے ساہس دکھا دے شان
آ رہا ہے لٹیرا جاپان — لٹیرا جاپان
ایک ہو جاؤ اے ہند کے چالیس کروڑ — ہم ہیں ایک شکتی ہم میں ہے زور

بھاگ جائے گا لٹیرا جاپان ، لٹیرا جاپان
آزاد ہوں گے برما کوریا آزاد ہوں گے چین اور ملایا
آزاد ہو جائے گا ہندوستان ہمارا پیارا ہندوستان

(بنگال کا ایک گیت) (نعرے)

ہم جاپانی فاشزم کو مٹا دیں گے۔ جنتا کو ہتھیار دو۔ کامریڈ رفیق زندہ باد۔ جنتا کو ہتھیار دو۔ جاپانی فاشزم کا ناش ہو۔ سرمایہ داری کا ناش ہو۔ سامراج شاہی کا ناش ہو۔ کامریڈ رفیق زندہ باد۔ یہ ملک ہمارا ہے۔ اسکی حفاظت ہم کریں گے۔

پانچواں سین

زمیندار علی حسین ایک آرام کرسی پر بیٹھا ہے اس کے ہاتھ میں بندوق ہے بیگم پاس ہی دوسری کرسی پر بیٹھی ہیں۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ امجد (علی حسین کا لڑکا) ہاتھ میں پستول لئے کھڑا ہے۔ اس کے برابر سکینہ خاموش کھڑی ہے۔ امجد کھڑکی سے باہر جھانک رہا ہے۔ سب بت کی طرح ساکت ہیں۔ باہر سے

مجمع کے نعروں کی آوازیں آرہی ہیں جو دم بدم قریب
ہوتی جاتی ہیں۔

علی حسین۔ پاگل ہوگئے ہیں سب۔ میں تو کہتا تھا ساری تیاریاں تیرے خلاف ہیں
زمینداروں کے خلاف۔

بیگم۔ دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر۔

علی حسین۔ زمینداروں ہی کے گاؤں میں رہتے ہیں۔ اور زمینداروں ہی کے
دشمن۔ آج پولیس فوج کوئی نہیں ہے جو انہیں روکے۔ اب تک انھوں
نے گھر پر چڑھائی نہیں کی تھی۔

سکینہ۔ آپ ناحق پریشان ہو رہے ہیں ابا۔ وہ اپنا مظاہرہ کر رہے ہیں جلوس
نکالا ہے۔ یہ تو جاپان کے خلاف ہے نعرے سن لیجئے۔

علی حسین۔ میرے گھر پر چڑھائی ہے۔ یہ تو عام سڑک بھی نہیں ہے۔ ادھر تو
کبھی کوئی جلوس نہیں آیا معلوم نہیں کتنے آدمی ہیں۔

امیو۔ ہوں گے کوئی چالیس پچاس ہزار لال جھنڈے ہیں ان کے ہاتھ میں
لاٹھیاں بھی ہیں بلم بھی۔ کچھ تیر کمان لئے ہیں۔ وہ ادھر ہی آرہے ہیں
سچ مچ اس گھر کی طرف۔

امجد۔ ایک ایک کو بھون کر رکھ دوں گا۔

بیگم۔ جب گیدڑ کی شامت آتی ہے تو شہر کی طرف بھاگتا ہے۔

سکینہ۔ وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے اماں۔ ان میں ہمارے گاؤں کے بھی کسان
ہیں۔ صرف مظاہرہ کرتے آئے ہیں۔

علی حسین۔ یہ مظاہرہ ہے مظاہرہ؟ یہ تو اچھی خاصی چڑھائی ہے۔ تم ابھی
بچی ہو بیٹی۔ میں ان بدمعاشوں کو خوب جانتا ہوں۔

امیو۔ سکینہ اپنی طرح سب کو بھولا سمجھتی ہے۔

آواز۔ جنتا کو ہتھیار دو۔

امیو۔ ابھی ہتھیار ملتے ہیں۔ پستول اور بندوق کی صورت دیکھتے ہی دم نکل جائے گا۔

علی حسین۔ پولیس اسٹیشن پر ٹیلیفون کرو امجد۔ ہم چالیس پچاس ہزار کو نہیں
روک سکتے۔ پولیس کو ٹیلیفون کرو (امجد ہچکچاتے ہوئے ٹیلیفون کی طرف
جاتا ہے جو بیماری میں ٹوٹ چکا ہے)

بیگم۔ پولیس آج کہاں مرگئی۔

آواز۔ جنتا کو ہتھیار دو۔

علی حسین۔ ٹیلیفون۔ ٹیلیفون۔ جلدی کرو وہ آ گئے۔

سکینہ۔ ٹیلیفون ٹوٹ گیا ہے ابا۔ جب سے بیماری ہوئی ہے تب ہی سے کام
نہیں کر رہا ہے۔

علی حسین۔ تم ٹیلیفون کرو۔ میں کہتا ہوں ٹیلیفون کرو۔ پولیس کو فوراً بلاؤ۔
بغیر پولیس کے ڈنڈے کھائے یہ نہیں جائیں گے۔ (بندوق کا سہارا لیکر اٹھنے لگتا ہے)

سکینہ۔ آپ بیٹھ جائیے۔ آپ یہاں بیٹھئے میں ابھی جا کر دیکھتی ہوں کہ رفیق ہے یا نہیں۔ اس سے پوچھوں گی یہ لوگ ہمارے گھر پر حملہ نہیں کریں گے۔

بیگم۔ نہیں بیٹی وہاں نہ جانا۔

سکینہ۔ اماں رفیق ہمارے گھر پر حملہ نہیں ہونے دیگا۔ (کھڑکی کی طرف جاتی ہے)

بیگم۔ (سکینہ کا ہاتھ پکڑ کر) یہاں آؤ سکینہ میرے پاس بیٹھو۔ باہر مت جھانکو۔

آواز۔ جناح کو ہتھیار دو۔

علی حسین۔ تم ٹیلیفون کیوں نہیں کرتے۔ امجد تم سے کچھ نہیں ہوتا۔

امجد۔ ہلو۔۔۔ میں ہوں امجد۔۔۔۔ خان بہادر علی حسین صاحب کے گھر سے۔ چالیس پچاس ہزار آدمیوں نے گھر گھیر لیا ہے۔

آواز۔ جناح کو ہتھیار دو۔

علی حسین۔ نعرے لگا رہے ہیں۔

امجد۔ نعرے لگا رہے ہیں۔۔۔ جناح کو ہتھیار دو۔

علی حسین۔ یہ تو بغاوت ہے کھلی ہوئی بغاوت۔ جلدی۔ ہتھیار بند پولیس بھیج دیجئے یہ نہیں جائیں گے۔ کہو امجد یہ بغاوت کر رہے ہیں۔ تم کہتے کیوں نہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے (اٹھ کر خود ٹیلیفون لے لیتا ہے) یہ لوگ غدر پر آمادہ ہیں۔ گھر کو آگ لگانا چاہتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سکینہ۔ (ٹیلیفون ہاتھ سے لے لیتی ہے) بس کچھ نہیں ابا۔ آپ بیٹھ جائیے۔

(علی حسین کو لا کر صوفہ پر بٹھا دیتی ہے)

آواز۔ جنتا کو ہتھیار دو۔

امیو۔ (کھڑکی سے) امجد دیکھو کچھ لوگ گھر میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

فائر۔ جلدی۔

سکینہ۔ غضب ہو جائیگا۔ فائر مت کرنا۔ (امجد کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے)

امیو۔ یہ یوں نہیں جائیں گے۔ یہ ایسے بھولے بھالے نہیں ہیں۔ جیسا تم انھیں سمجھتی ہو۔ چور، بدمعاش، ڈاکو سب انھیں میں سے پیدا ہوتے ہیں۔

سکینہ۔ تم میرا دماغ مت کھاؤ۔

علی حسین۔ بیٹی میرے تھرما میٹر لگا دو۔ میری حرارت بڑھ رہی ہے۔ آج میرے پیٹ میں درد بھی ہے۔ ان کسانوں نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔ وہ حرامزادہ مختار بھی ہوگا ان میں۔ بدمعاش ایک ایک کی کھال ادھیڑ دوں گا۔ (بیگم تھرما میٹر نکال کر علی حسین کے منہ میں لگاتی ہیں)

امیو۔ لات کے بھوت بات سے نہیں مانتے۔ وہ رفیق صاحب کہاں غائب ہیں کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ ان بدمعاشوں کو یہاں بھیجکر خود چھپ گئے ہیں

بیگم۔ ایک دن بھی تو چین سے نہیں رہتے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی مصیبت اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اب دیکھو گھر گھیر رکھا ہے۔

سکینہ۔ اماں انھوں نے گھر نہیں گھیرا ہے۔ صرف دم لینے کو رک گئے ہیں۔

بیگم - آسمان تو سر پہ اٹھا رکھا ہے - جب گھر لوٹ لیں گے تب تمہیں ہوش آئیگا -
علی حسین - دیکھو بیٹی کتنا ٹھیر ٹھیر ہے ؟ (سکینہ گھبرا بیٹھ لیتی ہے)
(دروازے پر دستک)

علی حسین - کیا اب یہ لوگ اندر آ رہے ہیں - اتنی ہمت !

امیو - نواب صاحب یہ لوگ تو حد سے بڑھتے جا رہے ہیں آپ کب تک دروازہ
بند کئے بیٹھیں گے ؟ (دستک)

آواز - جنتا کو ہتھیار دو -

بیگم - (گو دپھیلا کر) اے خدا تو ہی ہم سب کا رکھوالا ہے - یہ گھر بار تیرا ہی دیا
ہوا ہے - (دستک)

علی حسین - دروازہ مت کھولنا - (زور کی دستک)

سکینہ - یہ رفیق ہوگا - اور کون اس طرح دروازے پر دستک دیگا -

امیو - رفیق اتنے بھولے نہیں ہیں (سکینہ دروازے کی طرف جاتی ہے)

بیگم - اے کیا دیوانی ہوگئی ہے سکینہ !

سکینہ - (دروازے کے پاس پہونچ کے) نہیں اماں رفیق ہے - وہ تو یہاں آتا رہتا
ہے کہتے آیا ہوگا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں - میں تو ہمیشہ اسکی مدد کرتی رہی ہوں

بیگم - غضب ہو گیا - جب گھر ہی میں - - - - -

علی حسین - تم - - - تم - - - ان پاگلوں کو - - - میری بیٹی (گلے میں پھندا لگ جاتا ہے)

اسو - میں ان کمیونسٹوں کو خوب سمجھتا ہوں - جس ہنڈیا میں کھاتے ہیں اسی میں چھید کرتے ہیں

سکینہ - (دروازہ کھولتے ہوئے) کیا رفیق اس گھر کو لوٹنے آئے گا -

بیگم - (چیخ کے) سکینہ!

(سکینہ دروازہ کھول دیتی ہے اور ایک دم جھجک کر پیچھے ہٹ جاتی ہے دو کسان لال جھنڈے لئے ہوئے داخل ہوتے ہیں - ان کے پیچھے ایک بڑھیا ہے - یہ تینوں تیسرے سین میں نظر آئے تھے)

امجد - خبردار - ابھی فائر کر دوں گا -

علی حسین - (غصہ میں آدھا اٹھ کر) یہاں کیوں آئے ہو؟

پہلا آدمی - ہم پر جاپانیوں نے حملہ کر دیا ہے - - - -

آواز - جنتا کو ہتھیار دو -

پہلا آدمی - اب تک چٹ گاؤں پر دو دفعہ بمباری ہو چکی ہے

علی حسین - پھر - پھر میں کیا کروں - جا کر فوج میں بھرتی ہو - نکل جاؤ یہاں سے بدمعاش - نمک حرام - کہاں ہے وہ مختار حرامزادہ -

بیگم - کیا غضب کرتے ہو - چالیس پچاس ہزار ہیں -

علی حسین - میں نے تم سب کو بچوں کی طرح پالا ہے -

دوسرا آدمی - جی نہیں ہم کو ہماری محنت مزدوری نے پالا ہے -

امیو - اچھا رہنے دیجئے نواب صاحب میں ان لوگوں سے باتیں کرتا ہوں -

(کسانوں سے) جاپان نے تم پر نہیں انگریزوں پر حملہ کیا ہے -

پہلا کسان - یہ ہم پر حملہ ہے - ایک بھی انگریز نہیں مرا - لیکن سو سے زیادہ ہندستانی مر گئے

امیو - یہ تو انگریزوں کی لائی ہوئی بلا ہے -

پہلا کسان - کسی کی لائی ہوئی ہو - ہے تو بلا - ہمیں اس بلا کا خاتمہ کرنا ہے -

امیو - خود تمہارے سبھاش بابو ان کے ساتھ ہیں -

پہلا کسان - ہوا کریں -

امیو - وہ جاپانی فوجوں کے ساتھ آ رہے ہیں -

پہلا کسان - وہ آئے تو ہم انھیں پھولوں کے ہار نہیں پہنائیں گے بلکہ بندوقوں کی

گولیوں سے ان کا سواگت کریں گے -

امیو - بندوقیں دینے والے تمہارے حاکم تو تمہیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگے جاتے ہیں -

پہلا کسان - بھاگ جانے دو یہ ان کا گھر تو ہے نہیں - ہم اپنے باپ دادا کا گھر چھوڑ کر

کہاں جائیں -

دوسرا کسان - انگریز بھاگ جائیں گے - اور جاپانیوں کو ہم اپنے گھروں میں کھود کھود کر

گاڑ دیں گے - ایک پنتھ دو کاج -

امیو - لیکن . . . .

پہلا کسان - ہٹو ہمارے بیچ میں سے - ہم تم سے بات کرنے نہیں آئے ہیں - ڈپٹی جین

کی طرف مڑ کر) اب خبر آئی ہے کہ اراکانی لوگ چٹاگاؤں پر حملہ کرنیوالے ہیں
دیہات سے ہم چار ہزار کسان لاٹھیاں اور بلم لے لیکر آگئے ہیں۔ ہم سب
جاپانیوں اور لوگوں سے لڑنے کو تیار ہیں۔ لیکن ہم نہتے ہیں۔

آواز۔ جنتا کو ہتھیار دو۔

علی حسین۔ پھر فوج میں جاکر بھرتی کیوں نہیں ہوتے۔ مجھے دھمکانے آئے ہو۔ میں نے تمہیں بچوں کی طرح پالا ہے (کھانستا ہے) تم سب میرے گاؤں کے کسان ہو۔ مجھے بدن سے گٹھیا ہے اس وقت بھی حرارت ہے نہیں تو میں تمہارے ساتھ آکر گاؤں میں رہتا۔ کیا میں تمہارا زمیندار نہیں ہوں؟

پہلا کسان۔ آپ کو گٹھیا ہے اسی لئے ہم ہتھیار مانگ رہے ہیں نہیں تو ہم آپ کے ہاتھ میں بندوق دیکر جاپانیوں سے لڑنے کیلئے آپکو آگے آگے بھیجتے۔

بیگم۔ کیسی قینچی سی زبان چل رہی ہے۔

امیرو۔ ان کی زبان کو لگام نہیں ہے ایسے ہی منہ پھٹ ہوتے ہیں۔

علی حسین۔ تمہیں ہتھیار چاہئیں۔ تم میری بندوق اور پستول مانگنے آئے ہو تاکہ سب سے پہلے مجھی کو اپنا نشانہ بناؤ۔ یہ چالیس پچاس ہزار آدمی ہتھیار مانگنے آئے ہیں۔ (کھانستا ہے) تمہیں معلوم نہیں ہتھیار بے لائسنس ہے۔

پہلا کسان۔ لائسنس سے تو جاپانی نہیں رکیں گے۔ وہ تو ہتھیار سے ہی رک سکتے ہیں

وہ انگریزی سرکار کے قانون نہیں مانتے۔

آواز - یہ ملک ہمارا ہے۔

علی حسین - سنو! تم کیا کہہ رہے ہو! یہ ملک تمہارا ہے؟ تمہارے باپ دادا نے اسے خریدا تھا؟ یہ گاؤں تمہارے ہیں یا میرے؟ میرے باپ دادا نے جب سرکار کے لئے خون بہایا تھا تب یہ گاؤں ملے تھے خون بہا کے۔

پہلا کسان - مگر ہمارا خون تو اس زمین میں جذب ہے۔ کسانوں کے جسم نے اسے کھاد دی ہے۔ تب ہندوستان کی زمین سونا اگلتی ہے۔ اسکی حفاظت ہم نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟

علی حسین - تم سب کے دماغ خراب ہو گئے ہیں۔ چلے جاؤ یہاں سے خیریت اسی میں ہے۔ پولیس آ رہی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کتوں کی طرح مارے جاؤ تم اپنا فرض بھول گئے۔ لیکن مجھے اپنا فرض یاد ہے۔ آخر تم کیا چاہتے ہو۔

آواز - جنتا کو ہتھیار دو۔

پہلا کسان - ہمیں جاپانیوں سے لڑنے کیلئے ہتھیار چاہئیں۔ ہم آپ کی بندوق مانگنے آئے ہیں۔

اشرو - جاپانیوں سے لڑنے کیلئے ہتھیار؟ پہلے انگریزوں سے لڑو جنہوں نے تمہیں غلام بنا رکھا ہے۔

پہلا کسان - کس چیز کیلئے لڑیں؟

امیو۔ اپنے ملک کیلئے۔

پہلا کسان۔ لیکن ملک تو جاپانیوں کے ہاتھ میں جا رہا ہے۔ برما جا چکا ہے۔
اب ہندوستان کی باری ہے۔

امیو۔ جاپان تو تمہارا ملک انگریزوں سے لیکر تمہیں کو دے گا!

پہلا کسان۔ تمہیں کیا معلوم؟ کیا جاپانی تم سے مشورہ کر کے یہاں آ رہے ہیں؟

امیو۔ وہ اپنے بیوی بچے گھر بار سب کو چھوڑ کر یہاں آ رہے ہیں؟

پہلا کسان۔ لیکن ان کا پیچھا اور ان کی بھوک تو ان کے ساتھ ہے۔

دوسرا کسان۔ یہ جاپانی ایجنٹ ہے تمہیں باتوں میں لگا رہا ہے علی حسین سے ہمیں
ہتھیار چاہئیں۔

آواز۔ جنتا کو ہتھیار دو۔

سکینہ۔ رفیق کہاں ہے؟ رفیق کو بلاؤ میں باتیں کروں گی۔

پہلا کسان۔ (علی حسین سے) ہمیں بندوق چاہئیں۔ آپ کیا جواب دیتے ہیں؟

علی حسین۔ امجد۔ پولیس ابھی تک نہیں آئی۔

امجد۔ میں خود جاتا ہوں۔

بیگم۔ نہیں بیٹا اس وقت نہ جاؤ۔ چالیس پچاس ہزار دشمنوں میں سے کیسے
نکلو گے؟

امجد۔ میرے پاس ریوالور ہے۔ صرف موٹر تک پہنچنا ہے۔ پھر کوئی راستہ

روکے گا تو اسے موٹر کے نیچے کچلنا پڑے گا (چلا جاتا ہے)

بڑھیا۔ تم اپنے بیٹے کو پولیس بلانے بھیج رہی ہو تاکہ میرے بیٹوں پر گولی چلے جاپانیوں سے کتنے آدمی مر چکے ہیں۔ کیا ہم غریبوں کی قسمت میں یہی لکھا ہے؟ اوپر سے جاپان بم برسائے۔ سامنے سے پولیس گولی چلائے۔ اور تم گھر میں بیٹھی تماشا دیکھو۔

بیگم۔ یہاں کھڑی ہوئی کیا زبان چلا رہی ہے۔ ایسی ہی اپنے بیٹوں پر جان چھڑکتی ہے تو انھیں جا کر روکتی کیوں نہیں۔ ایک تو گھر گھیر لیا ہے۔ اوپر سے زبان چلا رہی ہے۔

بڑھیا۔ میرا ایک بیٹا تھا عمر بھر کی کمائی۔ جاپانیوں نے اسے مار ڈالا۔ پوچھو اس نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟ اب یہ سب میرے بیٹے ہیں۔ میں نے انھیں گود میں نہیں پالا مگر یہ بھی میری جیسی ماؤں کی گود میں پلے ہیں یہ جاپانیوں سے میرے بیٹے کے خون کا بدلہ لیں گے۔ اسی لئے تو ہم سب ہتھیار مانگنے آئے ہیں۔ تم ہمیں گولیاں کھلوانا چاہتی ہو۔ تم کیسی ماں ہو؟ میری ماتا دکھی ہے۔ میرا بیٹا مر گیا۔ اس کی لاش تک مجھے نہیں ملی۔ اس کی ہڈیاں اور بوٹیاں تک نہیں ملیں۔ جاپانیوں نے اسے چبا ڈالا۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارے گھر پر بم نہیں گرے گا۔ تمہارا بیٹا نہیں مرے گا؟

بیگم۔ تیری زبان میں کیڑے پڑیں! تجھ پر خدا کی مار! میرے بیٹے کو کوستی ہے۔ مردار!!

بڑھیا۔ میں کسی کو نہیں کوستی۔ میری دکھی ماتا کو سب کے بیٹے پیارے ہیں۔ میں سب کو اپنے لال کی طرح سمجھتی ہوں۔

بیگم۔ میرا بیٹا تیرے بیٹے کی طرح کیوں ہونے لگا؟ اُسے مُلا کے آئی ہے

سکینہ۔ اماں چپ ہو جاؤ۔ کیوں اس کے منہ لگ رہی ہو۔

آواز۔ جنتا کو ہتیار دو۔

سکینہ۔ میں کہتی ہوں تم رفیق کو کیوں نہیں بلاتے؟ کیا وہ تمہارا لیڈر نہیں ہے؟

آواز۔ کامریڈ رفیق زندہ باد۔

سکینہ۔ رفیق نے تمہیں بھیجا ہے اور خود نہیں آیا۔ کیا اس نے بندوقیں مانگی ہیں! مجھ سے تو کبھی نہیں کہا۔

دوسرا کسان۔ آپ رفیق کا نام بار بار کیوں لے رہی ہیں۔ جنتا کو ہتھیار دو۔ یہ نعرہ ہمیں رفیق ہی نے سکھایا ہے۔

سکینہ۔ مگر رفیق خود کیوں نہیں آیا؟ اس نے آج شام کو آنے کو کہا تھا۔ اس نے کچھ روپے مانگے تھے۔ میں شام سے اس کا انتظار کر رہی ہوں (لفافے سے روپے نکال کر کسانوں کی طرف بڑھاتی ہے)

پہلا کسان۔ اب روپیہ نہیں بندوقیں چاہئیں۔

سکینہ۔ (جھنجلا کے) تم بتلاتے کیوں نہیں۔ بولو رفیق کہاں ہے؟

پہلا کسان۔ رفیق مر گیا۔ (سکینہ کے ہاتھ سے نوٹ چھوٹ کر گر پڑتے ہیں اور وہ کرسی کا سہارا لے لیتی ہے)

آواز۔ کامریڈ رفیق زندہ باد!

سکینہ۔ تم کیا کہہ رہے ہو۔

دوسرا کسان۔ ہاں رفیق مر گیا۔ (سکینہ سر پکڑ کے بیٹھ جاتی ہے) لیکن وہ مرا نہیں ہے ان چالیس ہزار آدمیوں کے سینے میں اسکی روح ہے۔ کھڑکی سے جھانک کر دیکھو۔ ہر ایک کے چہرے پر رفیق کی جھلک ہے جو کام رفیق کر رہا تھا ہم سب اُسے پورا کریں گے۔ ہمیں جاپانیوں سے لڑنے کے لئے ہتھیار چاہئیں۔

سکینہ۔ (گردن اٹھا کر دیکھتی ہے) رفیق مر گیا۔!؟

دوسرا کسان۔ (لال جھنڈے کو نیچے جھکاتا ہے) آپ دیکھتی نہیں ہیں یہ کس کا خون ہے؟ یہ رفیق کا خون ہے۔ ہمارے بہادر ساتھی کا خون۔ مرتے وقت یہ جھنڈا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے ہمارے جھنڈے کو نیچا نہیں ہونے دیا وہ جاپانیوں کے بم سے مرا ہے۔ ہم اس کے خون کا بدلہ جاپانیوں کے خون سے لیں گے۔ ہمیں ہتھیار چاہئیں۔

پہلا کسان۔ رفیق کا خون زمین میں جذب نہیں ہوا۔ وہ لال جھنڈے میں جذب ہے۔

امیو۔ کہیں سے جھنڈا رنگ لائے ہیں۔ بانس پر ایک لال چیتھڑا لگا کر انقلاب انقلاب چلا رہے ہیں۔ نواب صاحب آپ بڑے ضبط سے کام لے رہے ہیں

دوسرا کسان۔ خبردار تم جاپانی ایجنٹ ہو۔ ہمارے شہیدوں کے خون کی بے عزتی نہیں کر سکتے۔

آواز۔ جنتا کو ہتیار دو۔

پہلا کسان۔ (علی حسین سے) آپ کیا کہتے ہیں۔

دوسرا کسان۔ ہمیں بندوق چاہیئے۔

آواز۔ جنتا کو ہتیار دو۔ یہ ملک ہمارا ہے۔ ہم اسکی حفاظت کرینگے۔

علی حسین۔ (مایوسی کے لہجے میں) پولیس نہیں آئی (بندوق کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی ہے) (بیگم بے بسی سے دیکھتی ہیں۔ امیو آہستہ سے بندوق کی طرف بڑھتا ہے۔ پہلا کسان لپک کر بندوق اٹھا لیتا ہے۔

پہلا کسان۔ بندوق کو ہاتھ مت لگانا!

علی حسین۔ خبردار........ (ہاتھ بڑھاتا ہے لیکن بندوق دسترس سے باہر ہے) تم بندوق لے گئے۔ (پردہ) پردہ کے پیچھے سے گانے کی آواز۔

یہ جنگ ہے جنگ آزادی آزادی کے پرچم کے تلے

تمت

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹	۹	اورکس کو نہیں معلوم ہے	اگر کسی کو معلوم ہو
	۱۰	کہیں	تو کہیں
۱۱	۱۶	×	سکینہ کے ہاتھ میں پھول ہیں
۱۳	۱۲	ہمراہ بیٹھ	پاس آ
	۱۳	بیٹھوں	بیٹھوں گا۔
۱۴	۲	تو میرے	میرے تو
۱۸	۴	پڑھتا ہے	پڑھتا ہے
۱۹	۱۵	اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے	ٹہلنے لگتا ہے
۲۱	۱۰	خوب ہو	خوب ملے
	۱۴	بزم آرائیاں کریں	بزم آرائیاں کرلیں
۳۱	۳	بیٹے کا لطف تو	×
	۴	بانسری	یہ بانسری
۳۳	۱۱	ہاں ہاں روک سکتا	ہاں کون روک سکتا
۳۳	۱۳	کے ساتھ	کے خلاف
۳۵	۳	آف اقبال	آؤ اقبال
۴۰	۲	طبقوں	صفوں
	۴	جاپانی سامراج	سامراج
۵۸	۱۲	لیتے رہے	لیٹے رہتے
۶۹	۳	مگر تم نہیں چلتے	مگر تم کیوں نہیں چلتے
	۵	کمیونسٹوں پر	کمیونسٹوں کا
۶۹	۱۲	میکچر پینا ہی	لکچر ہی پینا

۵۳۹ ق ۸۹۱۴۴۳۲

۱۳ ۴ ۷۱

Date	No.	Date	No.